سوز و گداز

حافظ محمدؐ ولایت اللہ

برائے خدمت جناب حاجی محمد معین الدین صاحب
حیدرآباد دکن
گر قبول افتد زہے عز و شرف
محمد ولایت اللہ ناگپور ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۱

سوز و گداز



یعنی

مجموعہ کلام

حافظ محمد ولایت اللہ

۱۹۴۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

گذارش

اصحاب ناظرین کی خدمت میں مودبانہ مختصر اگذارش ہے کہ نہ میں شاعر ہوں اور نہ مجھے شاعر ہونے کا دعویٰ ہے۔ تمام عمر میں ایسے مواقع نصیب نہ ہوئے کہ شعرا کی صحبت میں رہ کر شاعری کی مشق کرتا۔ میری عمر کا بیشتر بلکہ قریب قریب کل حصّہ بہ سلسلہ تعلیم وزاں بعد بہ تقریب ملازمت صوبہ متوسطہ و برار میں گزرا جہاں چند سال پیشتر اردو شاعری کا بہت کم چرچا تھا اور وہ بھی خاص خاص مقامات میں اور خاص موقعوں پر موقوف۔ میرا قیام بہ سبب ملازمت ایسے مقامات سے بہت دور رہا کبھی کبھی کسی خاص بات سے متاثر ہو کر بطور خود اشعار نویسی کا شغل تھوڑی دیر کے لئے کر لیتا تھا۔

یہ اشعار اور نظمیں میرے مضطرب قلب کے جذبات، تاثرات اور پریشان خیالات کا ایک آئینہ ہیں۔ جب فرصت ہوئی اور عالم تنہائی میں طبیعت رجوع ہوئی اپنے درد دل اور خیالات کو اشعار کے لباس میں قلمبند کرتا رہا۔ ہمیشہ دل میں درد کا اک کافی ذخیرہ رہا جس میں ماحول کے تاثرات اضافہ کرتے رہے۔ طالب علمی اور ابتدائے ملازمت کے زمانہ کی نظمیں محفوظ نہیں رہیں

اور اسی سبب سے بیشتر ضائع ہوگئیں چند نظمیں جو احباب سے یا کاغذات میں سے دستیاب ہوئیں ان کو اپنے منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد جمع کیا۔ اشاعت کا ارادہ نہ تھا مگر احباب کے کئی سال کے مسلسل اصرار پر چند جدید نظموں کا اضافہ کر کے بصورت کتاب شائع کرنے کا بالآخر ارادہ کیا۔

اس کلام میں زبان اور محاورات کی خامیاں ضرور ہوں گی۔ کوئی نمایاں خصوصیت نہیں ہے نہ اس میں چاشنی زبان خاص بندش الفاظ اور نہ شاعرانہ بلند پایہ تخیل ہے۔ چند خیالات پریشان کا مجموعہ ہے سلاست اور سادہ بیانی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ صاحبان نقاد سخن اس کلام کے نقائص کو بوجوہات مندرجہ صدر از راہ کرم معاف فرمائیں محض حکم کی تعمیل ہے جو اسے شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ حصول شہرت کی تمنا نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے۔ اگر کسی نقطہ نظر سے یہ کلام ناظرین اصحاب کو پسند ہوا تو یہ ان کی عین ذرہ نوازی اور میری خوش قسمتی ہوگی۔

ناگپور سی پی

۲۱ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء

محمد ولایت اللہ

زمانۂ طالب علمی کی چند نظمیں

قصیدہ تہنیت بحضور فیض گنجور ہر ہائینس نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ فرماں روائے ریاست بھوپال جو بزمانہ طالب علمی ۱۳۰ھ میں لکھا گیا

حبذا آج ہوا طالع خفتہ بیدار
کہ طبیعت ہے مضامیں سے ہم آغوش کنار

مژدہ اے دل کہ چمن پر ہے غضب کا جوبن
گل کھلے جاتے ہیں رونق پہ ہے گلشن میں بہار

محو نظارۂ گلزار ہے چشم نرگس
گرچہ کہتے ہیں اسے لوگ ہمیشہ بیمار

ہیں گلاب اور چنبیلی تو کہیں ہے شب بو
کیتکی کی نظر آتی ہے کہیں خوب قطار

سرو استادہ ہیں گلشن میں حسینوں کی طرح
کہیں سوسن نظر آتی ہے زبان طرار

نسترن بھی ہے کہیں جلوہ فزائے گلشن
سیوتی سنبل و ریحاں ہیں کہیں وقف بہار

غائت عیش سے گلدستہ بنی جاتی ہے
شیخ کے فرق مبارک پہ مقدس دستار

اک تماشہ ہے کہ زنار کی جا گردن میں
برہمن پھرتے ہیں ڈالے ہوئے پھولوں کے ہار

عیش و راحت سے ہم آغوش ہیں سب خورد و بزرگ
صفحۂ دہر سے معدوم ہے شکل ادبار

دشت و کہسار ہوئے غیرت فردوس بریں
صاف و آراستہ ہیں آج بلاد و امصار

چمن دہر پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے
جھومتے پھرتے ہیں سڑکوں پہ خوشی سے میخوار

باغ ہستی میں ہے ہر سمت خوشی کا ساماں
روح افزا ہے بہت آج صبا کی رفتار

چار سو دیکھ کے یہ جوش مسرت کا سماں
دل نے حیرت سے سبب اس کا کیا استفسار

کیا ہے تقریب سعید آج ہے کیوں جشن خوشی
کس لئے کوچہ و بازار بنے ہیں گلزار

یوں نواسنج ہوئی عیش و طرب سے بلبل
آج کا منظر دلچسپ ہے اک خاص بہار

جشن کی دھوم ہے اور نور چراغاں کا ہے ابر
جو اٹھا ہے زد قصر حضور سرکار

حضرت شاہجہاں ملکۂ ملکِ بھوپال
کالعدم عدل سے جن کے ہوئی رسمِ آزار

جن کے انصاف کا نیّر ہے جہاں میں روشن
بذل سے جن کے یہ معمور ہیں سب ملک و دیار

شہرہ ہے جن کی سخاوت کا جہاں میں ہر سو
جن کے ایثار و کرم عام ہیں بے حد و شمار

رحم کا جن کے ہے آفاق میں اک شہرۂ عام
معدن و کاں سے کہیں بڑھ کے ہیں جن کے ایثار

نکہت آرا ہو شمیم آپ کے احساں کی اگر
بنے ہر ریگ رواں نافۂ مشکِ تاتار

باغ میں جشن ہے اس دھوم کا بھوپال میں آج
دیکھ کر رشک میں ہے جس سے ریاضِ فرخار

خلعتِ فاخرہ ہوتے ہیں عنایت سب کو
جس طرف دیکھیے ہے جوش میں بحرِ ایثار

روشنی سے ہے زمیں آج مثالِ خورشید
غایتِ عیش سے ہیں جوش میں دریا و بحار

آج بھوپال پہ رشک آتا ہے جنت کو بہت
در و دیوار ہیں شفاف مصفا بازار

اے ولایت چلو دربار میں با حدِ ادب
تہنیت اور دعائیں یہ کرو عرض اشعار

دھوم کا جشن مبارک ہو حضورِ پر نور
روز آراستہ ہو جشنِ طرب سو سو بار

خیر خواہانِ ریاست رہیں سب خرم و شاد
تختِ بھوپال پہ ہو فضلِ خدا لیل و نہار

تاجِ اقبال رہے زیب دہ تاجِ محل
مہر و مہ ہوتے رہیں روز فدا سر پہ نثار

بارگاہِ صمدی میں یہ ولایت ناچیز
ہاتھ اٹھا کر یہی کرتا ہے دعا لیل و نہار

قصیدہ تہنیت بخدمت جناب علّامہ مولانا شبلی نعمانی بہ تقریب عطائے خطاب شمس العلما - بہ زمانہ طالب علمی لکھا گیا اور ۹ ار جنوری ۱۸۹۴ء کو بمقام علیگڈھ کالج جلسہ اخوان الصفا میں پڑھا گیا (بعد نظر ثانی)

آج یہ کیوں نظر آتے ہیں خوشی کے ساماں
در و دیوار سے آثار مسرت ہیں عیاں

زیب و زینت نہیں کچھ ایک جگہ پر موقوف
ساری دنیا نظر آتی ہے مجھے باغ جناں

دیکھنے والے کی آنکھوں میں کھبا جاتا ہے
دل کو آتا ہے پسند آج کے دن کا یہ سماں

دیکھ کر سبزہ کی ہر سمت بہار دل کش
فرش اطلس کا مجھے ہوتا ہے ہر لحظہ گماں

قابل دید ہے غنچوں کا تبسم ہر سو
باغ عالم میں جدھر دیکھئے گل ہیں خنداں

باغ ہو دشت ہو صحرا ہو غرض کچھ بھی ہو
ہو بہو چار طرف خلد کا نقشہ ہے عیاں

دھوم صحرا میں ہے جنگل میں ہے برپا منگل
آج ویرانہ کا معدوم ہے دنیا سے نشاں

ہیں زبانوں سے بلند آج خوشی کے نعرے
خرم و شاد نظر آتا ہے ہر پیر و جواں

دست قدرت نے گہر بار جو ہونا چاہا
ابر آیا در شہوار سے بھر کر داماں

نہ رہی شکل وہ دنیا کی و مافیہا کی
کچھ سے کچھ کر گئی اک بارش ابر باراں

دشت و صحرا میں ہے امروز بہار گلزار
رحمت پاک سے سرسبز ہے کل باغ جہاں

سر کے بل آگے ہی بڑھتی تھی نگاہِ پر شوق
ہر قدم پر ہوئیں سو جان سے آنکھیں قرباں

تھا تعجب کہ خدایا یہ خوشی کیسی ہے
جا رہا تھا میں اسی فکر میں غلطاں پیچاں

ناگہاں کان میں آواز یہ آئی میرے
ٹھہر جاں ہوش میں آ دیکھو تم اس وقت کہاں

جشن نوروز ہے اک دھوم مچی ہے ہر سو
واں کے چلنے کا بھی کچھ تم نے کیا ہے ساماں

سن کے یہ مژدہ طبیعت نہ رہی قابو میں ساتھ سب لوگوں کے اس سمت ہوا میں بھی رواں
لئے جاتا تھا مجھے شوق وہاں ہاتھوں ہاتھ گامزن تھا میں نہایت خوش و خرّم شاداں
چشم مشتاق جسے ڈھونڈھ رہی تھی ہر دم نظر آیا مجھے وہ دور سے قصرِ ذی شاں
خوشنما دلکش و دلچسپ تھی جس کی تعمیر جس کی صورت سے ہویدا تھی بہت شوکت و شاں
پاس جا کر جو نظر کی تو وہاں جمع ملے ہند کے جملہ اراکین و مشیر و اعیاں
عقل و دانش کی فضیلت ہوئی جن سے افزوں عزّت و شان کی بھی جن سے بڑھی عزّت و شاں
عدل سے جن کے ممالک ہوئے معمور تمام جن کے ہاتھوں سے یہ سرسبز ہوا ہندوستاں
پائی یہ نشو و نما علم و ہنر نے جن سے جن کا ہر طرح ہے اس ملک پہ بے حد احساں
ناگہاں ایک خموشی ہوئی سب پر طاری اور نافذ ہوا دربار میں شاہی فرماں
پئے تعظیم کھڑے ہو گئے سارے حضّار ہمہ تن گوش ہوا شوق سے ہر پیر و جواں
سن کے کچھ پھول گئے مارے خوشی کے احباب غیر ممکن ہے کہ ہو فرطِ مسرّت کا بیاں
ہوئے شمس العلما آج جناب شبلی فرطِ شادی سے ستارے تھے فلک پر رقصاں
فخر کرتا ہے بہت جن پہ علیگڈھ کالج جن کی ہستی پہ بہت علم ادب ہے نازاں
مصر اور شام میں شہرہ عربی کا پہونچا فلسفہ سن کے تحیّر میں پڑا ہے یوناں
فارسی کی جو بھنک کان میں پڑ جاتی ہے دل میں محجوب بہت ہوتا ہے اہل ایراں
تہنیت خواں ہے ولایت کہ مبارک ہو خطاب شمس جب تک رہے میدان فلک پر رقصاں
اور دعا ہے یہی ہر دم بہ جناب باری تا ابد آپ اسی طرح رہیں فیض رساں
سبز و شاداب ہمیشہ رہے یہ باغ علوم آپ کی فیض رسانی رہے مثل باراں

زمانۂ طالب علمی کی ایک نظم جو ماہ جون ۱۸۹۴ء یونین کلب علی گڈھ کالج میں پڑھی گئی اور ایم اے او کالج میگزین میں شائع ہوئی تھی۔ (بعد نظر ثانی)

نہ ہوگی جگہ اس علی گڈھ سے بدتر
یہاں آیا میں دور کے ڈھول سن کر

یہ اک عام شہرت تھی اچھی جگہ ہے
بنایا ہے کالج وہاں سب نے مل کر

مسلمان لڑکوں کا مجمع ہے اچھا
پئے درس و تدریس رہتے ہیں آکر

وہاں ایک جا ہیں بڑے اور چھوٹے
کوئی ہے غریب اور کوئی تونگر

یہ سنتے ہی بس ٹھان لی جی میں میں نے
کہ دیکھوں گا اک مرتبہ میں بھی جاکر

سمایا مرے سر میں سودا سفر کا
بہ عجلت روانہ ہوا باندھ بستر

تھی جلدی سی جلدی غضب ہے خدا کا
بھلا اس سے اب اور کیا ہوگی بڑھ کر

کہ پوچھا گچھا اور سوچا نہ سمجھا
کہ آخر یہاں آکے گزرے گی کیوں کر

یہاں آکے اب کیا کہوں کچھ نہ پوچھو
کہ حالت یہاں کی ہے ناگفتہ بہتر

فرنگی ہوں دیسی ہوں سب ایک سے ہیں
ہمیں بیٹھ کر یاں پڑھاتے ہیں دن بھر

نہیں سر پہ کچھ یہ مصیبت اکیلی
اسی قسم کی اور باتیں ہیں ستّر

طبیعت سے کیونکہ دم اکتا نہ جائے
نہیں ہے ہمارا یہ دل اینٹ پتھر

کہانی کہوں کس سے جا کر یہاں کی
کسے تاب ہے جو سنے میرا دفتر

اسے دیکھئے اک ڈبیٹنگ کلب ہے
کوئی میر جلسہ ہے کوئی سکتّر

کسی روز طلبا کی ہوتی ہیں بحثیں
کسی روز یاں کوئی دیتا ہے لکچر

کبھی ہوتے ہیں پبلک ریڈنگ کے جلسے
کبھی جمع ہیں یاں صفا کے برادر

اگر دیکھئے جا کے الماریوں میں
ہزاروں کتابیں سبھی ہیں برابر

یہی حال میزوں کا میں دیکھتا ہوں
وہاں ہیں کتابیں یہاں نیوز پیپر

غرض اک طرف رکھو کالج کی باتیں
یہاں کھیل میں بھی ہے پڑھنا سراسر

اسی پر نہیں ختم سارا یہ قصہ
ہیں فٹ بال کرکٹ اگر جائیں باہر

نئے کھیل نکلے ہیں یہ اور تماشے
جو ہم نے سُنے اور نہ دیکھے جنم بھر

ان الماریوں میں کتابوں سے حاصل
نہ ہوگا ہمیں فائدہ ان کو پڑھ کر

برادر سو جھائی نہ اتنی کسی نے
کہ کابک یہ ہوتیں تو پلتے کبوتر

بڑے شوق سے دیکھتے روز ان کو
زمیں پر کبھی اور کبھی آسماں پر

یہاں ہوتا گر ایسی باتوں کا چرچا
دکھاتے تمہیں مرغ بازی کے جوہر

اگر ہم اس حصہ میں رکھتے بٹیریں
تو اچھی طرح اس طرف پلتے تیتر

کبھی مُرغ لڑتے کبھی لال لڑتے
مشاغل رہے ہیں ہمارے یہ گھر پر

پتنگیں اُڑاتے بڑے شوق سے ہم
لڑاتے کبھی پیچ میداں میں جا کر

یہ کرکٹ کی جو تختیاں دیکھتے ہو
مزیّن ہیں جن سے یہ دیوار اور در

عوض ان کے ہوتے اگر باز و شکرے
تو رونق کی ہوتی پھر اک شکل دیگر

یہی ہے ہمارا پرانا طریقہ
یہی سب سے اعلیٰ یہی سب سے بہتر

یہ باتیں بھی ہوتیں کم و بیش اس جا
تو ہرگز کبھی ہم نہ کہلاتے کافر

ریاضت سے سیکھی ہے تم نے ریاضی
بہت فلسفہ بھی سناتے ہو فر فر

اگر تم نے تیتر لڑانا نہ جانا
برابر کہیں گے تمہیں لوگ "نیچر"

یہ آتا ہے رہ رہ کے دل میں ہمارے
کوئی کاش کہتا یہ سیّد سے جاکر

لکھانے پڑھانے کی اچھی سنائی
جو ہوتی نہ آئی وہ اب ہوگی کیونکر

مثل ہے کہ طوطا پڑھے اور مینا
مسلماں کے بچے پڑھے ہیں برادر

پڑھاؤ بھی ہم کو تو انگلش زباں میں
نہیں آئی جو باپ دادا سے لے کر

سمجھتے ہیں ہم خوب اس کا نتیجہ
کہ پڑھ لکھ کے ہوں ہم فرنگی کے نوکر

ہمیں اس میں ہوتا ہے ایماں کا خطرہ
ڈبوئے گی انگلش ہمیں روز محشر

جو تعلیم کو کچھ نہ ہو ہم سے نسبت
ہماری طبیعت لگے اس میں کیونکر

وہ کچھ اور ہمارا مذاق اور کچھ ہے
وہ شے اور ہے ہم ہیں اک چیز دیگر

کئے جائیں سیّد ہزار اپنی کوشش
پڑھے جائیں ہم پر ہزار اپنے منتر

یہی ہم کہیں گے ہماری بھی ضد ہے
اگر موت بھی آکھڑی ہوگی سر پر

کہ جو ہوتی آئی وہ کس طرح چھوڑیں
جو ہوتی نہ آئی وہ اب ہوگی کیونکر

قطعہ حضرت نظامی گنجوی رحمتہ اللہ علیہ جو بعد تحریف ۱۸۹۷ء میں یونین کلب علیگڈھ کالج
کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ڈائننگ ہال کی شکایت کے طور پر سر سید مرحوم کی
خدمت میں پیش کیا گیا اور ایم اے او کالج میگزین میں شائع ہوا۔ اس جلسہ میں نواب
محسن الملک مرحوم۔ سید محمود مرحوم۔ مولانا شبلی مرحوم و مولانا حالی مرحوم وغیرہم
بہ نظر حوصلہ افزائی طلبائے کالج شریک تھے

ڈائننگ ہال شدم دوش مرا راہ نبود — می زدم نالہ و فریاد کس از من نشنود

یا نبود ہیچ کس از منشی و بیرر آنجا — یا کہ من ہیچ بودم ہیچ کسم در نکشود

پاسے از شب چو بشد بیشترک یا کمتر — ناگہ از غرفہ یکے مانیٹرے رخ بنمود

گفت خیر است دریں وقت کرا می خواہی — بے محل آمدنت بر در ما بہر چہ بود

گفتمش در بکشا گفت برو ہرزہ مگو — کاندریں وقت کسے بہر کسے در نکشود

ایں نہ مسجد کہ بہ ہر لحظہ درش بکشایند — کہ تو دیر آئی و اندر صف پیش آستی زود

ڈائننگ ہال بود ایں کہ درش ہیچ کسے — بجز از منشی و مانیٹر و بیرر نکشود

ہر چہ در جملہ آفاق دریں جا حاضر — گوشت و دال و چپاتی و ڈبل روٹی و دود

گر تو خواہی کہ ز الوان نعم بہرہ بری — خاک پائے ہمہ شو تا کہ بیابی مقصود

درجلسہ سالانہ انجمن الفرض مدرسۃ العلوم علی گڈھ بتاریخ ۲۱ جولائی ۱۸۹۴ء

(بعد نظر ثانی)

جدھر دیکھتے ہیں مصیبت کھڑی ہے ہمارے لئے سخت اک اک گھڑی ہے
تکالیف میں اس طرح جاں پڑی ہے کہ ہر بات آساں بھی ہم کو کڑی ہے
کروں کیسے ہمت میں اس کے بیاں کی
کہ طاقت نہیں دل میں اس داستاں کی

وہ گزرا زمانہ تمہیں یاد ہوگا زباں پر ابھی ذکر اجداد ہوگا
فقط یاد سے کیا کوئی شاد ہوگا ہماری طرح یوں جو برباد ہوگا
کہ دنیا سے مطلب نہ دیں کا پتہ ہے
جسے دیکھو اک درد میں مبتلا ہے

کبھی تھے عجب بخت لیکن ہمارے تھے انسان محکوم اور جن ہمارے
زمانہ میں جس وقت تھے دن ہمارے وہ کٹتے تھے دن یوں نہ گن گن ہمارے
ہمارا ہی چلتا ہے سکہ جہاں میں
مچی تھی بڑی دھوم کون ومکاں میں

بڑے حوصلے اور اونچے ارادے مگر سب کے دل پھر بھی تھے سیدھے سادے
غذا ان کا فردوس میں گھر بنا دے مثال ان کی دنیا میں کوئی بتا دے
عجب کام کرتے جو کرنے پہ آتے
کبھی چلتے پھرتے کبھی آتے جاتے

کھرا اُن کا سودا کھرا دام اُن کا یہ تھا اُن کا مذہب یہ اسلام اُن کا
جہاں میں دو بالا ہوا نام اُن کا کہ بالائے عالم تھا ہر کام اُن کا

کبھی کام میں پیچھے پڑتے نہ تھے وہ
اور اپنے کئے پر اکڑتے نہ تھے وہ

ہم آواز تھی قوم ہر آن اپنی نہ تھی ایسی مجلس پریشان اپنی
لڑاتے ہیں سیّد اِدھر جان اپنی اُدھر گا رہے ہیں مسلمان اپنی

نہ امداد ہے اور نہ کچھ یاوری ہے
اِدھر رو رہے ہیں اُدھر دل لگی ہے

بھلے کی بھی اُن کو جو کوئی سوجھائے تو سر پر غریب اک بلا اپنے لائے
رہ راست کیا خاک کوئی بتائے مخالف ہیں ہر سمت اپنے پرائے

ہماری یہ حالت ہمارے یہ لچھن
جو سچ پوچھئے ہم ہیں خود اپنے دشمن

کدھر ہے وہ غیرت حمیّت تمہاری کدھر ہے وہ ہمّت شجاعت تمہاری
عیاں ہے جو ہے آج حالت تمہاری کہ خود کہہ رہی ہے یہ صورت تمہاری

نہ اب حوصلہ ہے نہ ہمّت ہے باقی
نہ جوشِ عمل ہے نہ طاقت ہے باقی

جو سید نے تعلیم کا گر بنایا لکھانے پڑھانے کو کالج بنایا
ہے کچھ ایسی الٹی زمانہ کی کایا بجز گالیوں کے نہ کچھ اس نے پایا

غمِ قوم ہر دم بہ ایں حالِ پیری

یہ لازم تھا سب کو کریں دستگیری

اسی کا یہ دل ہے کہ ہمت وہی ہے　　ضعیفی میں بھی اس کی محنت وہی ہے

ہمارے تغافل کی حالت وہی ہے　　مصیبت میں بھی خواب غفلت وہی ہے

بڑے بھاگ سمجھو جو قسمت دکھائے

کہ بھولے ہوئے صبح کے شام آئے

دعا ہے خدا اس کی ہمت بڑھائے　　اسے کامرانی کی صورت دکھائے

ہمارے لئے چار کالج بنائے　　بڑے شوق سے جس میں سب کو پڑھائے

ہمیں چاہئے حوصلے کو بڑھائیں

بڑے جوش سے ہاتھ اس کا بٹائیں

ارادہ کرو دل سے محنت کریں گے　　وطن میں جو کچھ ہو سکے سب سے لیں گے

یہاں آ کے جب اُس سے کمرے بنیں گے　　مزے سے رہیں گے لکھیں گے پڑھیں گے

نکل جائیں گے بھیس اپنا بدل کر

فقیرانہ ہم بھیک مانگیں گے چل کر

یہ حالت رہے گی نہ کالج کی ابتر　　فراہم کریں گے اگر سیم اور زر

ارادہ مصمم ہے جائیں گے در در　　رہے گا نہ خس پوش اللہ کا گھر

یہ مسجد جو اس وقت تک ہے ادھوری

اسے ہم کریں گے خدا چاہے پوری

در جلسہ سالانہ انجمن الفرض مدرستہ العلوم علی گڈھ بتاریخ ۵ اگست ۱۸۹۵ء

(بعد نظر ثانی)

مسلماں کی حالت نہایت زبوں ہے　　جسے دیکھئے فکر سے سرنگوں ہے
کبھی یہ نہ سوچا کہ حالت یہ کیوں ہے　　جدھر دیکھئے خواب غفلت فزوں ہے

اُڑائے لئے پھرتی ہے بادِ صرصر
نہ ہمدرد کوئی نہ غمخوار و یاور

نہ علم و ہنر ہے نہ صنعت نہ حرفت　　نہ ہے پاس دولت نہ کچھ پاسِ عزّت
طبیعت میں غیرت نہ قومی حمیّت　　ارادوں میں وسعت نہ ہمت میں رفعت

کبھی جن کا چلتا تھا یاں حکم و فرماں
ہے اولاد ان کی تباہ و پریشاں

عیاں ہے جو حالت ہماری بُری ہے　　جدھر دیکھتے ہیں ادھر ابتری ہے
دماغوں میں بوئے حکومت بھری ہے　　اور افلاس سے گھر میں فاقہ کشی ہے

ہیں قسمت کے شاکی فلک کا گلہ ہے
کبھی یہ نہ سوچا ہماری خطا ہے

ہوئی ہے بہت دیر عجلت کرو تم　　جو کچھ ہو سکے تم سے خدمت کرو تم
خدا کے لئے ترک غفلت کرو تم　　ہیں سب کام آساں جو ہمت کرو تم

رہو گے اگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر
تو ہوتی رہے گی یہ حالت زبوں تر

لکھانا پڑھانا یہ سید کے سر ہے اسے بھی یہی دل سے پیش نظر ہے
مگر آپ کو اس کی بھی کچھ خبر ہے کوئی کام ہوتا بھی بے سیم و زر ہے

کروگے نہ جب تک مدد پوری پوری
یہ تعمیر ایسی رہے گی ادھوری

یہ تعطیل آتی ہے ہو جاؤ یک دل معطل نہ بیٹھو نہ بن جاؤ کاہل
نکل جاؤ بازار میں بن کے سائل کرو حسب مقدور ہر اک سے حاصل

یہ سب کام مشکل پھر آسان ہوں گے
مہیا ترقی کے سامان ہوں گے

ہمیں ہے یہ تحریک گر دل سے پیاری مدد چاہیئے کچھ ہماری تمہاری
لگائیں جو ہم زور سب باری باری تو آساں ہے ہر کام بھاری سے بھاری

جو سب ساتھ دیں گے تو یہ کام ہوں گے
عمارت بنے گی یہ جب دام ہوں گے

قصائد

قصیدہ تہنیت بہ تقریب سعید شادی عالی جناب نواب حامد علی خاں صاحب فرمانروائے رام پور

جو بزمانہ طالب علمی ایم اے او کالج علی گڈھ میں لکھا گیا

دسمبر ۱۸۹۳ء

رحمت باد بہاری سے ہے دنیا گلشن
آج جنگل کا پتہ ہے نہ ہے باقی کوئی بن

فرط شادی سے نواسنج ہیں مرغانِ چمن
اب نہ وہ روز الم ہے نہ وہ گھڑیاں ہیں کٹھن

حبذا صبح مسرت کا ہوا ہے آغاز
مرحبا ختم ہوئی آج شب رنج و محن

ہجر گل باقی ہے بلبل کو نہ فکرِ صیاد
شدّت کنج قفس ہے نہ صدائے شیون

ہر گلی کوچہ سے آواز مبارک ہے بلند
ہر طرف غل ہے کہ بدلا ہے زمانہ کا چلن

وقت کچھ اور ہے دنیا میں خوشی کا ہے دور
رنج سے کہہ دو کہ اچھے نہیں تیرے لچھن

لاتی ہے باد صبا آج خوشی کا پیغام
سارے عالم کو سناتی ہے مسرت کا بچن

مژدہ اے فکر کہ آتے ہیں اچھوتے مضموں
جیسے نکھری ہوئی سنوری ہوئی آتی ہو دلہن

سبزہ کا چار طرف فرش بچھا ہے پر لطف
جلوہ افزا ہیں جہاں سنبل و ریحان و سمن

کیسی دلچسپ ہے آنکھوں کو درختوں کی قطار
لین باندھے ہوئے قدرت کی کھڑی ہے پلٹن

روشوں پر ہیں کھڑے سرو مودب ہو کر
ویل کم شوق سے کہتی ہے زبانِ سوسن

ایسی اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چلتی ہے صبا
جیسے جاتا ہو کوئی شوخ چھڑا کر دامن

جھوم کر لڑتی ہیں آپس میں قدمبوسی کو
بار ور شاخیں جھکائے ہوئے اپنی گردن

بھینی بھینی چلی آتی ہے مہک پھولوں کی   کیسا بے خود کئے دیتی ہے ہوا کی سن سن

ذوق افزا جو چلے بادِ صبا کے جھونکے   شوق سے کود پڑے جھوم کے ملا بامن

گرتے پڑتے چلے آئے کوئی تسبیح بدست   کوئی مالا لئے ماتھے پہ لگائے چندن

کوئی آتا ہے وضو کر کے خراماں خوش خوش   کوئی اشنان کئے شوق سے جپتا سمرن

شیخ ہیں فرطِ مسرت سے یہاں گرمِ طواف   برہمن دوڑتے آئے ہیں کہ کرلیں درشن

اک طرف سے ہے صدائے غزلِ تبریزی   سمتِ دیگر سے خوشی کے سنے جاتے ہیں بھجن

بت یہ کہتے ہیں کہ دریا میں کریں گے اشنان   آج اک طرفہ تماشا ہے لبِ گنگ و جمن

سطحِ دریا پہ وہ بہتے ہوئے پرخم گیسو   لہریں کھاتی ہوئی وہ زلفِ سیہ کی ناگن

کیا کہوں دیکھ کے اقسام کے دل کش منظر   چشمِ مشتاق کو کیا کیا نظر آتے ہیں چمن

ہے کہیں صبحِ بنارس تو کہیں شامِ اودھ   کہیں متھرا نظر آتا ہے کہیں بندرابن

آتی ہے ریل بھی پچھم سے خبر آئی ہے   خیر مقدم کے لئے بجتی ہے گھنٹی ٹن ٹن

شوقِ دیدار میں بھرتا ہوا آہیں پیہم   مہ جبینوں کو لئے بھاگتا آیا انجن

آکے ٹھہری جو حسینانِ جہاں کی یہ ٹرین   ہوگیا غیرتِ فردوسِ بریں اسٹیشن

فرطِ شادی سے کہیں لوگ گلے ملتے ہیں   دست بوسی ہے کہیں اور کوئی لیتا ہے چرن

سمتِ مغرب سے اٹھے ہیں کہیں کالے بادل   جیسے لنکا سے چلی آتی ہو فوجِ راون

کیا عجب محوِ تماشا ہوں فلک پر تارے   چادرِ ابر میں بے وجہ نہیں ہیں روزن

شوقِ دیدار سے کچھ چشمِ قمر رہ رہ کر   جھانکتی جاتی ہے بادل کی اٹھا کر چلمن

فرطِ شادی سے نہیں پیرِ فلک کو بھی قرار   اس بڑھاپے میں اسے سوجھا ہے کیسا بچپن

اے خوشا سیر کو آتے ہیں حسینانِ جہاں   سرو قد آج ہیں سب زیب فزائے گلشن

کھل کھلا کر ہنسے دیتے ہیں کسی جا گل رو
مسکراتے نظر آتے ہیں کہیں غنچہ دہن

آنکھ لڑتے ہی کسی جا ہوئی نرگس بیمار
کہیں کچھ دیکھ کے شرمندہ ہوئے دلمیں ہرن

چوری کر جائے نہ دزدیدہ نگاہی دل کی
دیکھنا کام نہ کر جائے کسی کی چتون

دیکھ لے گر وہ جبیں برق کو آجائے عرق
رُخ تاباں کی چمک دور کرے چند گہن

دل میں یوسف کے بھی ہو قید کی خواہش پیدا
دیکھنے میں کبھی آجائے اگر چاہ ذقن

شوق دیدار سمایا ہے کچھ ایسا سر میں
نکھرے سنورے چلے آتے ہیں بتانِ لندن

اک طرف سے کوئی آتا ہے خراماں پیدل
رونق افزا کوئی ہوتا ہے بھگائے توسن

جلوہ فرما کوئی ہوتا ہے لئے ہاتھ میں ہاتھ
گرد اُڑائے ہوئے آتا ہے کوئی اپنی فٹن

دید کی چاہ کہیں لذت دیدار کہیں
کیا عجب یاد بھی آئے جو نہ لنچ اور ٹفن

بکھرے گیسو ہیں کہیں سانپ کسی کے دل پہ
جعد کو دیکھ کے ہوتی ہے کسی کو الجھن

چادرِ ابر میں مہتاب بھی چھپ جاتا ہے
دیکھ لیتا ہے کسی کی جو جبین روشن

زیب تن آج ہے ہر شخص کے اک تازہ لباس
جس طرف دیکھئے ہے ایک انوکھا جوبن

شرم سے پھر نہ کبھی نام لے اپنا پیرس
اک نظر دیکھ لے گر آکے یہاں کے فیشن

ابھرے سینہ پہ غضب کرتا ہے وہ چست لباس
چشم عاشق کی طرح اس پہ لگے چند بٹن

مختلف قسم کے سامان طرب ہیں موجود
ہر مکاں سے ہے بلند آج صدائے ارگن

دیکھتا تھا میں تعجب سے کھڑا ایک طرف
آج یہ گلشن عالم کا انوکھا جوبن

حیرت و فکر و تعجب بمن افتاد چناں
پائے رفتن نہ بہ من ماند نہ جائے ماندن

جی میں کہتا تھا خدایا یہ تماشا کیا ہے
سخت حیرت تھی بڑی فکر غضب کی الجھن

ناگہاں اک بت گلفام مرے پاس آیا
غیرتِ حور و پری رشک قمر سیمیں تن

تھی شرارت سے نہ اک بات بھی اس کی خالی
گرچہ صورت پہ برستا تھا بہت بھولا پن

ہاتھ میں لے کے مرا ہاتھ ہوا گرم خرام
دوسرے ہاتھ سے تھامے ہوئے اپنا دامن

دو قدم بھی نہ چلا تھا کہ یکایک آگے
اک مزیّن نظر آیا مجھے جشنِ روشن

جی میں میرے ابھی آئی بھی نہ تھی پوری بات
کہ لکھوں مدح و ثنا مجھ سے جو کچھ آئے بن

دل میں اک جوش ہوا شوقِ ثنا خوانی کا
راز سب مجھ پہ عیاں کر گئی اک چشم زدن

آنکھ اٹھا کر جو نظر کی تو یہ دیکھا میں نے
جگمگاتا ہوا موجود ہے مطلع روشن

مطلع

شاہ انعام و عطا خسرو ایثار و منن
مخزنِ علم و ہنر قدر فزوں سازِ سخن

مصدرِ لطف و کرم منبع جود و احساں
چشمۂ داد و سخا اہلِ ہنر صاحبِ فن

فخرِ دوراں کرم حامد علی خان نواب
واسطے جس کے بنے لعل یمن در عدن

نورِ دیں بدل ترا بخت ترا نور جہاں
تو جہانگیر ہے تلوار تری شیر افگن

اک جھلک لطف و کرم کی تری پڑ جائے اگر
ذرّہ بھی مہرِ درخشاں کی طرح ہو روشن

سامنے چشمِ کرم کے کبھی آ جائے سفال
پرتو نور سے ہو جائے وہ فوراً کندن

کر دفر نے ترے یہ صورت زیبا دی ہے
جاہ و حشمت کے لئے فخر ہے تیری اترن

ہو گئی شمس و قمر کے لئے اک خلعتِ نور
بچ رہی تھی ترے دامن کی ذرا سی کترن

تیرے اکرام سے ہے گلشنِ عالم کی بہار
تیرے انعام سے ہے چہرۂ گل پر روغن

چشمِ نرگس کا ہے سرمہ تری گردِ نعلین
عارضِ گل کے لئے خاکِ قدم ہے ابٹن

مہر و مہ کو ترے اقبال نے بخشا یہ فروغ
چشمِ عالم نے تری ذات سے پایا انجن

جب سے دیکھی ہے کفِ دست کی گوہر باری
نہ تو بھادوں ہی رہا یاد نہ ہم کو ساون

اے قلم وقتِ ثنا اپنی روانی دکھلا کر رقم مدح میں اک اور بھی مطلع احسن

مطلعِ ثانی

ذات تیری ہے اگر جود و کرم کا معدن بات تیری ہے ہر اک علم و ہنر کا مخزن

عقل و دانش سے تری دنگ ہو ملک یوناں لوگ ہر سمت ہیں انگشت تحیّر بدہن

تجھ سے زندہ ہوئے لقمان و فلاطوں دونوں گو ہیں چونک پڑا نام سے تیرے سولن

ہے ارسطو کا بھی کیا منہ کہ مقابل ہو ترے تیرے دربار میں ایسے تو پڑے ہیں چھپن

علم و فرہنگ کا شہرہ ہے ترا یوناں تک حلم کا حال بھی مشہور ہے تا شام و یمن

رحم نے تیرے زمانہ میں دکھایا یہ اثر طرزِ بے دادگری بھول گیا چرخ کہن

عیش و راحت سے گذرتی ہے ترے سایہ میں زحمت گردشِ ایام سے سب ہیں ایمن

خوش نصیبانِ جہاں شاد ہیں تیرے باعث بدنصیبانِ جہاں کے لئے تو ہے مامن

تیری تصمیم سے فولاد نے پائی سختی تیری ہمت کے مقابل نہیں کچھ بھی آہن

ظلم کا کھوج زمانہ سے مٹایا تو نے ہو گئی تیرے سبب جور و تعدی کی مرن

تیرے غصہ کی اگر آگ بھڑک جائے ذرا ساری مخلوق کا ہو جائے یقیناً ایندھن

رہبری کرنے لگے عہد ہمایوں میں ترے رہزنی بھول گئے جتنے تھے پہلے رہزن

تیری وسعت گہ اقبال میں ہر سمت ہما سایہ افگن ہوئے پہلے تھے جہاں زاغ و زغن

خواہش دل کا کبھی دور تھا پورا ہونا ہو گیا تیری عنایت کی سبب گھر آنگن

تلخ معلوم ہوں جنت کے مزے رضواں کو تیرے مطبخ کی جو مل جائے ذرا سی کھرچن

تیرے اوصافِ حمیدہ کو کروں کیا میں بیاں دل من داند و من دانم و داند دلِ من

تر و تازہ ہے ترے سر پہ خوشی سے سہرا بوسے لیتا ہے ترے ہاتھ کا ہر دم کنگن

روز و شب دل سے نکلتی ہے ہمارے یہ دعا
اے ولایت یہی کہتا ہے ہمارا تن من

یا خدا بزم جہاں ہے یہ چراغاں جب تک
یا خدا پھولتا پھلتا رہے جب تک یہ چمن

رہیں روشن ترے اقبال سے پورب پچھم
سبز و شاداب ترے ہاتھ سے اتر دکھن

ہے شب و روز کا جب تک یہ تواتر جاری
سر اقدس پہ رہے ظل خدا سایہ فگن

تیر بن بن کے لگیں جا کے ترے تار نظر
پیکر جاں ترے بدخواہ کا تا جائے چھن

یا خدا باغ جہاں میں رہے جب تک رونق
تیرے الطاف کی چلتی رہے جبتک یہ پون

گل ہو بلبل کو مبارک تو ہو بلبل گل کو
تا ابد خرم و شاداں رہیں دولہا و دلہن

حسن تزئین کو ترے روز بنا کر لائے
نیک و مسعود ستاروں کی حمائل مالن

ہوں مدد میں ترے الطاف الٰہی پیہم
پرم ایشور کرے من کی ہوں سب اچھا پورن

رام پور ہو ترے انصاف سے جائے آرام
گلشن آباد رہے فیض قدم سے گلشن

قصیدۂ تہنیت بہ تقریب سعید سلور جوبلی ملکِ معظم
قیصر ہند خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ مئی ۱۹۳۵ء

ہر طرف ہیں جوبلی کے جشن کی تیاریاں — ہو رہا ہے آج کل ہندوستاں جنّت نشاں

راستے پُرنور برقی روشنی کے درمیاں — سب کو حیرت ہے زمیں پر آگئی ہے کہکشاں

ہو نہیں سکتی بیاں جشنِ منوّر کی بہار — دیکھتا ہے آج کل تارے زمیں پر آسماں

جارج پنجم ملکہ میری کا یہ اقبال ہے — کس محبّت سے یہ دونوں نام ہیں وردِ زباں

ان کی رسمِ تاجپوشی کو ہوئے پچیس سال — دل سے کہتا ہے مبارک باد ہر خورد و کلاں

اے شہنشاہِ معظم قیصرِ ہندوستاں — عہد میں تیرے ملا اس ملک کو امن و اماں

بحر و بر کی سلطنت بخشی خدا نے بے نظیر — ہیں فضائے آسماں میں آج تیری کشتیاں

ظلمتِ شب دور رہ جاتی ہے تیرے ملک سے — دوسرا دنیا میں تجھ جیسا نہیں ہے حکمراں

تیرا آئینِ حکومت ہے پسند خاص و عام — خوبیاں جس کی بیاں کرتا ہے ہر پیر و جواں

وا ہوا دروازۂ علم و ہنر سب کے لئے — اور یکساں ہیں ترقی کے لئے آسانیاں

ہے امیروں اور غریبوں کے لئے قانون ایک — فرق کوئی ہے عدالت میں نہ ان کے درمیاں

کر دئے قائم شفاخانے مریضوں کے لئے — چین اور آرام بیماروں کو ملتا ہے جہاں

درد میں ہر دم رعایا کا ہے تو دل سے شریک — ہو نہیں سکتا ترے الطاف کا پورا بیاں

جب ہمیں تکلیف ہو دل تیرا ہوتا ہے حزیں — جتنی راحت پائیں ہم اتنا ہی تو ہے شادماں

عدل اور انصاف کی ایسی ہوئی قائم مثال — دیکھ کر جس کو تحیر میں پڑے نوشیرواں

ہم تعجب سے سُنا کرتے تھے جو قصّے کبھی — دیکھتے ہیں آج تیرے عہد میں ہم وہ سماں

زندہ ہو کر کرتی ہیں آپس میں تصویریں کلام — اس ترقی کا کسی کو بھی نہ تھا وہم و گماں

بازوے پرواز سے انسان طائر بن گیا — اب ایرشپ سے روانہ ہو رہے ہیں کارواں

بن گیا ایروپلین بھی اک کبوتر نامہ بر — ڈاک سارے ملک کی لیکر وہ ہوتا ہے رواں

ریڈیو نے رحمتِ حق کا کیا یہ انکشاف — نغمۂ شیریں بھرا ہے از زمیں تا آسماں

تو نے جب بھیجا محبت سے ہمیں پیغام خاص — جو کہا لندن میں تو نے وہ سُنا ہم نے یہاں

ہو رہا ہے آج کل ٹیلی وژن کا انتظام — ساتھ میں آواز کے تصویر بھی ہوگی عیاں

سچ تو یہ ہے خوبیوں کا ہو نہیں سکتا شمار — تہنیت گو ہے رعایا دل سے اے شاہ شہاں

ہو مبارک جوبلی اقبال دولت ہوں مزید — ختم کرتا ہے ولایت اس دعا پر یہ بیاں

جارج پنجم اور ملکہ کا خدا حافظ رہے — اور ہو زیر نگیں سرسبز یہ ہندوستاں

قصیدہ تہنیت بہ تقریب سعید سلور جوبلی اعلیٰ حضرت حضور نظام فرماں روائے حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

۱۹۳۶ء

رحمتِ کردگار آئی ہے — یا دکن میں بہار آئی ہے

بہر نظارۂ شگوفہ وگل — بلبل بے قرار آئی ہے

کیوں نہ ہوتا مشامِ جاں تازہ — بوئے مشک تتار آئی ہے

تازگی آج چہرۂ گل پر — کر کے سولہ سنگھار آئی ہے

ہے ترنم میں مرغ خوش الحاں — صوت ساز ہزار آئی ہے

سالہا سال ایسی عید نہ آئی — جس طرح اب کی بار آئی ہے

ہو مبارک نوید روح افزا — بعد صد انتظار آئی ہے

جو رہی ورد تا بہ ربع صدی — وہ دعا، کامگار آئی ہے

دیر آید درست آید سی — دولت پائدار آئی ہے

شادمانی وخرمی دہری — بے حساب و شمار آئی ہے

حیدرآباد میں ہے جشن نظام — یہ خبر خوشگوار آئی ہے

نقرئی جوبلی کی عید سعید — رونقِ روزگار آئی ہے

ساتھ اس کے صبائے فرخ پے — چار جانب پکار آئی ہے

اب نہیں خطرہ ورود خزاں — وہ بہار استوار آئی ہے

ہو مبارک برآئی دل کی مراد — آئی اور سازگار آئی ہے
تاجدار دکن کے زیر نگیں — سر زمین برار آئی ہے
خوش رعایا ہے کاشتکار ہیں شاد — سب کے گھر میں بہار آئی ہے
ہو گئی سی پی میں بارش گوہر — موتیوں کی پھوار آئی ہے
ناگپور کے نصیب جاگ اٹھے — وہ سحر شاندار آئی ہے
نظر لطف خسرو اعظم — سوئے ملک برار آئی ہے
بہر دربار شاہ اعظم جاہ — مسند زرنگار آئی ہے
حیدرآباد کی نسیم لطیف — مشکبو مشکبار آئی ہے
در شہوار کا ہے گھر سی پی — اپنے گھر میں بہار آئی ہے
بانوئے پور شہریار دکن — بخشنے افتخار آئی ہے
آرزو مند دید جمعیت — لے کے نذر و نثار آئی ہے
جاں نثار قدیم و دیرینہ — با ہزار انکسار آئی ہے
درگہہ ایزدی میں بہر دعا — باندھ کر اک قطار آئی ہے
روز افزوں ہوں دولت و اقبال — قبلہ رو خواستگار آئی ہے
یا الٰہی دعا ہو یہ ماثور — اس کی امیدوار آئی ہے

تخیّلات

آئینہ کائنات

کیسی دل کش ہے فلک پر یہ ستاروں کی بہار
پارہ ہائے ضو فشاں بکھرے ہوئے ہیں صد ہزار

صانعِ کامل نے گویا اک سجایا ہے چمن
صفحہ افلاک کو بخشی ہے گلشن کی بہار

دستکاری سے مرصع جب کیا فرشِ زمیں
اس پہ قائم کی مثالِ چتر سقفِ زرنگار

ہر طرف ہے آسماں پر حسنِ مطلق کا ظہور
دستِ قدرت نے کیا ہے ہر جگہ نقش و نگار

زینتِ افشاں عطا کی چہرۂ افلاک کو
کس قدر دلچسپ ہے ہر شام اس کا یہ سنگھار

کس کا جھومر چرخ پر عقدِ ثریا بن گیا
کہکشاں کی شکل میں ظاہر ہے نورانی غبار

نصب ہیں کیوں آسماں میں یہ ہزاروں قمقمے
عقلِ انسانی کے باہر ہے یہ رازِ کردگار

اک کشش تھامے ہوئے ہے ان کو اپنی جائے پر
ہیں معلق سب فضائے آسماں میں استوار

پنجۂ قدرت میں مستحکم ہے ان کی باگ ڈور
ضابطہ میں قید ہے ہر وقت ان کا انتشار

عقدۂ عقدِ ثریا کا نہیں ہے کوئی حل
راز ان کا جانتا ہے بس وہی پروردگار

دور کی نسبت نہیں ان سے مرے ادراک کو
یہ ہیں اجرامِ فلک میں ایک ادنیٰ خاکسار

کوئی کہتا ہے ستارے ہیں جہاں مثلِ زمیں
ایک دنیا پر نہیں ہے آفرینش کا مدار

ہر ستارہ اس کی قدرت سے ہے اک کامل جہاں
مثل اس دنیا کے ہیں معمور عالم بے شمار

باغباں کا دل میں ہوتا ہے نہ خود پیدا خیال
باغ میں ہم دیکھتے ہیں جب درختوں کی قطار

دستکاری اور صنعت سے ہیں پُر ارض و سما
ہے وجودِ حق تعالیٰ صاف جس سے آشکار

چشمِ حیرت سے کوئی جب دیکھتا ہے سوئے چرخ
گھورتی ہیں آسماں سے اس کو آنکھیں دس ہزار

ہر گھڑی ان کی نظر رہتی ہے دنیا کی طرف
ہے تعجب آدمی پھر بھی نہیں ہے ہوشیار

جائزہ لیتے ہیں یہ افعالِ انسانی کا روز
ہیں ہمارے نیک و بد اعمال کے یہ رازدار

آج کل ہیں ہر طرف اقوامِ عالم جنگ جو
ہے عداوت ان کی ایک دریائے ناپیدا کنار

بے گناہوں کا یہاں خوں بہ رہا ہے بے سبب
زندگی اب ایسی دنیا میں نہیں ہے خوش گوار

بارہا بدلا ہے اس نے پیشتر شمسی نظام
آگیا ہے وقت پھر ہوگا فنا یہ ایک بار

سوچتے ہیں کیا کریں گے رہ کے اس دنیا میں ہم
جس میں غم خواری ہے باقی اور نہ کوئی غمگسار

یا خدا اپنے کرم سے دے وہی امن و اماں
یا ہمیں وہاں کھینچ دے وہ کر رہے ہیں انتظار

مارچ ۱۹۷۱ء

خطاب بہ گل

اے گلِ خنداں دو روزہ زیست پر تیرا یہ ناز
بے نیازی ہے تری ہر وقت شانِ امتیاز

قابلِ صد گریہ ہے گلشن کی حالت اندنوں
دیکھتا ہے کیا یہاں تو کر کے گردن کو فراز

باغِ عالم میں ہر اک ہے مبتلائے درد و غم
قہقہہ تیرا ہے جاری تو ہے سب سے بے نیاز

چشمِ نرگس کا نہیں گلشن میں کوئی قدرداں
گرچہ غمزے میں وہی رہتی ہے اب بھی نیم باز

باغ سے بلبل پریشاں ہو کے غائب ہو گئی
ہو گئے معدوم اس کے نغمہ ہائے دل نواز

دم بخود ہیں قیس و لیلیٰ کو پڑی ہے فکرِ زیست
اب نہ وہ سودائے سر ہے اور نہ وہ رازو نیاز

سر زنی کرتا ہے پروانہ در و دیوار سے
بزم میں باقی نہیں ہے شمع کا سوز و گداز

حاکم و محکوم میں اب ہیں سیاسی تفرقے
اختلافِ رائے ہے مابین محمود و ایاز

بے وفائی ہم نشینوں کا شعارِ عام ہے
ڈھونڈتے ہیں دوست بن کر دوسروں کے دل کے راز

چہرۂ خوباں نے حسنِ گل چرایا باغ میں
سیرِ گلشن کے لئے آتے ہیں اب کم راست باز

نکہتِ گل کا کوئی جویاں نہیں ہے آج کل
سر میں شہرت کی ہوا ہے ہر طرف ہے حرص و آز

خود شہ ہو جو غم سے خالی خاک غم خواری کرے
درد مندوں کا نہیں ہوتا کوئی اب چارہ ساز

اس جہاں کی بے وفائی کیا کروں تجھ سے بیاں
زندگی تیری ہے تھوڑی اور قصہ ہے دراز

مارچ ۱۹۴۱ء

خطاب بہ آسماں

دل مرا کل آسماں سے کر رہا تھا گفتگو
یہ بتا دے اس جہاں میں کیوں ہے تو میرا عدو

کون سی ایسی خطا سرزد ہوئی مجھ سے یہاں
جس کے باعث دشمنِ جاں ہوگیا دنیا میں تو

وہ زمانہ کامرانی کا مجھے ہے خوب یاد
آج کل کیوں ہوگیا میں نامرادِ آرزو

بے وفائی میں نہ چوکا ہائے وہ جس کے لئے
خاک چھانی ملک کی پھرتا رہا میں کو بہ کو

یار اور احباب مجھ سے ایسے بدظن ہو گئے
کچھ سبب ہو یا نہ ہو رہتے ہیں مجھ سے ترش رو

وہ مئے الفت نہیں احباب کے جلسے نہیں
ہیں شکستہ آج میرے سامنے جام و سبو

یاد ہیں وہ دن کہ ہوتی تھی دعا میری قبول
کام جو میں نے کیا اس میں ہوا میں سرخرو

یہ جنوں کب تک پریشاں حال رکھیگا مجھے
اور یہ چاکِ گریباں ہوگا یوں کب تک رفو

کس لئے مجھ خستہ جاں پر ہے ترا جور و ستم
ہے پیاسی خون کی دنیا تو حاضر ہے گلو

رنج و غم نے گرچہ کر ڈالی مری حالت سقیم
تاب و طاقت ختم ہے باقی نہیں دل میں لہو

پھر بھی ہے اک لہر میرے جسم میں روح رواں
ہے خدا کا حکم بندوں کے لئے لاتقنطو

ساری دنیا ہو مخالف اس کا کوئی غم نہیں
یا الٰہی مہرباں مجھ پر ہے جب تک ایک تو

جنوری سنہ ۳۹ء

فلسفۂ غم و رنج

دل میں رہ رہ کر مرے آتا تھا اکثر یہ خیال
کیا سبب ہے کوئی خوش ہے اور کوئی افسردہ حال

آج جو خوش ہیں وہ کل ہیں مبتلائے رنج و غم
عیش و کم ہر ایک ہے اک دن گرفتار الم

دیکھتا تھا گرد اپنے جب غم و سوز و گداز
مضطرب ہو کر مرا دل ڈھونڈھتا تھا اسکا راز

عقل کے باہر ہیں لیکن یہ رموز کردگار
عرض کرتا ہوں فقط اتنا بہ عجز و انکسار

ہے یہ منظور خدا انساں کو رتبے ملیں
تا ملایک اس کی نسبت پھر کبھی طعنے نہ دیں

اسنے غمخواری بھی پیدا کی ہے رنج و غم کے ساتھ
دل میں ہمدردی کا جذبہ بھی دیا ہے دم کے ساتھ

دیکھ کر رنجور کو انساں ہوا جب دردمند
درد نے رتبہ کیا اس کا ملایک سے بلند

بے قراری دیکھ کر ہوتا ہے انساں بے قرار
گر نہ ہوتا غم تو پھر بنتا وہ کس کا غمگسار

رنج و کلفت سے رہے جبتک کوئی ناآشنا
عیش و عشرت کا اسے ملتا نہیں پورا مزا

درد میں اک خاص لذت ہے جو راحت میں نہیں
جو مزا ملتا ہے غم میں عیش و عشرت میں نہیں

آسماں کے رہنے والوں میں نہ غمخواری نہ غم
ہوں گے عزت میں فرشتے اس لئے انساں سے کم

زندگی بے لطف ہے جبتک نہ دل ہو داغدار
غمزدہ انساں ہی ہوتا ہے اچھا غمگسار

بعد اس دنیا کے ہے اک اور عالم بالیقیں
صرف انساں کے لئے معمور ہے خلد بریں

اس جہاں میں درد اور غم کا نہیں کوئی نشاں
عیش و عشرت سے رہیں گے لوگ ہر دم شادماں

جون ۳۶ء

خوشی و غم کا تواتر

شادمانی رنج کے پردہ میں اکثر ہے نہاں — روز ہم آنکھوں سے اپنی دیکھتے ہیں یہ سماں

دورِ غم کے بعد جب آتے ہیں ایّامِ خوشی — نوحہ خوانی چھوڑ کر ہوتا ہے انساں نغمہ خواں

جس طرح ہوتی نہیں ہے شادمانی لازوال — رنج و غم کا دور بھی رہتا نہیں ہے جاوداں

شادی و غم کا تواتر اک مسلم امر ہے — پھر بہار آتی ہے اک دن باغ میں بعدِ خزاں

روز ہوتی ہے ہویدا صبحِ روشن بعدِ شب — تیرگی کا پھر کہیں رہتا نہیں باقی نشاں

ابر و باراں کا کبھی رہتا ہے جاری سلسلہ — حکم جب ہوتا ہے چھٹ جاتا ہے بادل ناگہاں

خشک میداں ہوتے ہیں دور و زمیں شاداب و سبز — اس کی رحمت کا وہاں ہوتا ہے اک نے بیارواں

اس کے فضل و لطف سے بیمار پاتے ہیں شفا — ناتوانوں کو عطا کرتا ہے پھر تاب و تواں

گھٹتے گھٹتے ماہ ہو جاتا ہے گو شکلِ ہلال — ہو کے کامل پھر وہ بن کر بدر ہوتا ہے عیاں

ایک دن ہے رات کالی دوسرے دن چاندنی — تیرگی اور روشنی کی سیڑھیاں ہیں درمیاں

اس کی قدرت سے غبارِ راہ پاتا ہے عروج — ایک جھونکا اس کو لے جاتا ہے سوئے آسماں

پھر خوشی ہوتی ہے اک دن ہی جہاں رنج و الم — یہ تواتر شادی و غم کا ہے قانونِ جہاں

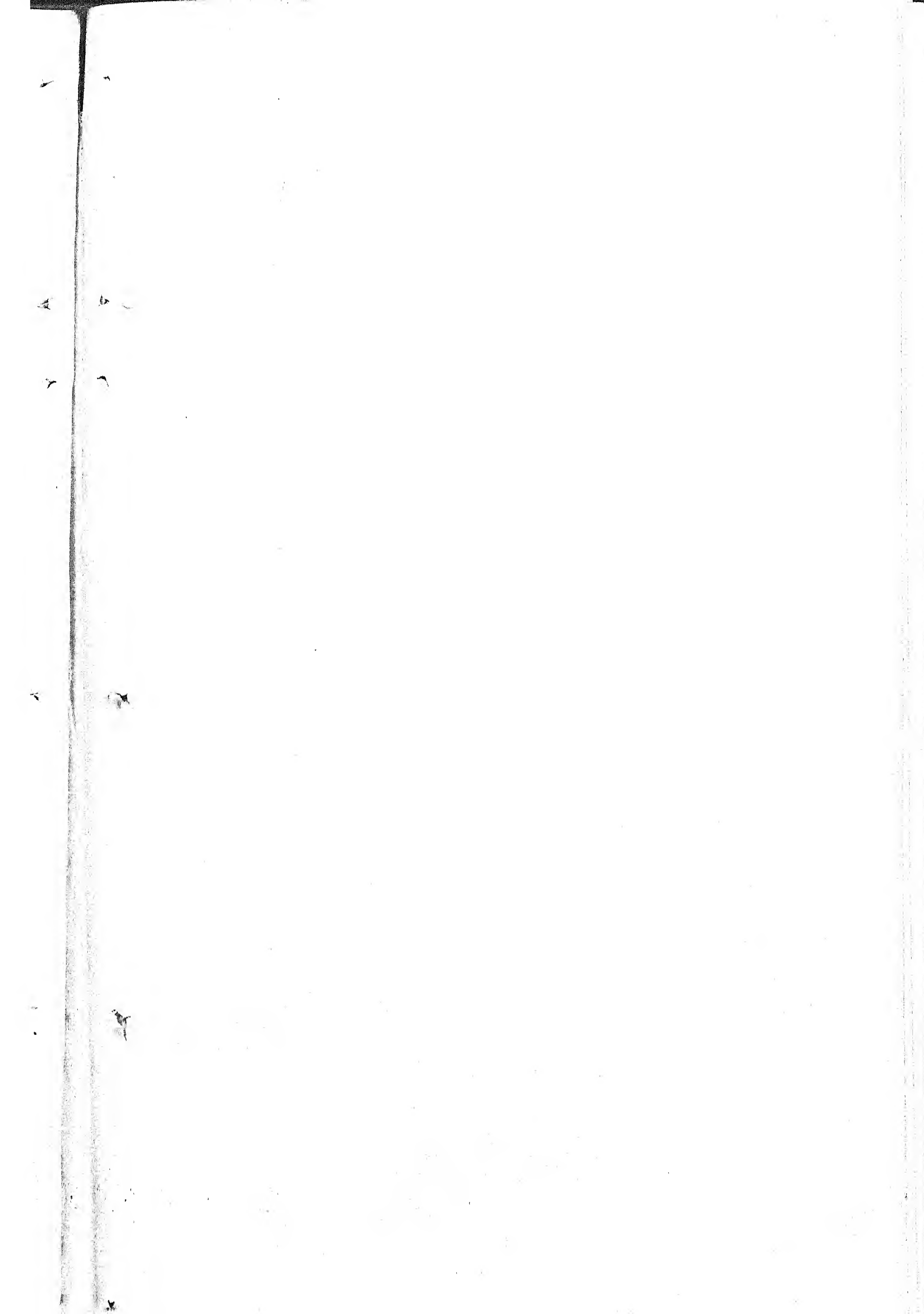
گردشِ افلاک سے مسلم کی حالت ہے تباہ — ایک مدت سے پریشاں حال پھرتا ہے یہاں

عفو کر اس کی خطائیں اے خدائے ذوالجلال — تیرا بندہ ہے ترا در چھوڑ کر جائے کہاں

پھر ہو اس دنیا میں قائم اس کا درجہ اور وقار — ہو ترے فضل و کرم سے وہ دوبارہ کامراں

فروری ۱۹۷۱ء

غزلیات



(۱)

گلہ ہے بخت کا دورِ عجیب کا رونا
ذرا سنو تو سہی مجھ غریب کا رونا

ہیں پھول باغ میں چمن میں نہیں ذرا خوشبو
ہر ایک سے ہے یہی عندلیب کا رونا

عجیب عشق ملا ہم کو شاعری کے لئے
ہمیشہ جس میں لگا ہے رقیب کا رونا

ہمارا یار ستم سے کبھی نہ باز آیا
ہمیشہ روتے رہے ہم حبیب کا رونا

عدو ہے دوست سے بہتر کبھی جو وقت پڑے
چہار سو ہے عزیز و قریب کا رونا

علاج کرتے ہیں اور خودکشی بھی جاری ہے
زبان پر ہے ہمیشہ طبیب کا رونا

جو ہو رہا ہے وہ اعمال کا نتیجہ ہے
مگر ہے داخلِ عادت نصیب کا رونا

سنا رہے ہو یہ باتیں کسے تم اے حافظ
یہاں گراں ہے ہر اک کو غریب کا رونا

اپریل ۳۴ء

(۳)

نہیں ملتا کہیں ڈھونڈے سے بھی مجھکو مکاں میرا
کہاں جاتا رہا یارب چمن سے آشیاں میرا

فلک کا ہے یہ منشا اور یہی صیاد کی کوشش
رہے باقی نہ گلشن میں کہیں نام و نشاں میرا

تعجب ہے کہ گلچیں سیکڑوں ہیں باغِ عالم میں
کھٹکتا ہے مگر صیاد کو اک آشیاں میرا

کبھی اٹھی نہ آہِ سرد میرے قلب سوزاں سے
گرا کر بجلیاں اکثر ہوا ہے امتحاں میرا

دلِ مضطر کی آتش تیز تر ہوتی ہے اشکوں سے
عیاں کرتی ہے فریاد و فغاں سوزِ نہاں میرا

زباں تک آکے رہ جاتی ہے غم کی داستاں میری
نہ کوئی رازداں میرا نہ کوئی ہم زباں میرا

مری حسرت نکل جائے انھیں معلوم ہو جائے
اگر سن لیں کبھی میری زباں سے وہ بیاں میرا

پریشاں دشت میں گم کردہ منزل پھر رہا ہوں میں
خدارا کوئی بتلا دے کدھر ہے کارواں میرا

کبھی میں نے نہ دیکھا اس نے روکا ہو رقیبوں کو
محافظ اس کے در کا بن گیا ہے پاسباں میرا

وفا اور راست بازی کی نہیں ہے قدر اے حافظ
خدا جانے کہ دشمن کیوں ہوا ہے آسماں میرا

اگست ۳۹ء

(۳)

نگاہ لطف سے ظالم ترا جور و ستم اچھا
خوشی جس کی کبھی صورت نہ دیکھیں اس سے غم اچھا

فنا کے بعد یہ نعمت کہاں ملتی ہے انساں کو
علاج درد دل اے چارہ گر جتنا ہو کم اچھا

بجز رسوائی کچھ حاصل نہ ہوگا گریہ کرنے سے
جہاں تک راز دل مخفی رہے اے چشم نم اچھا

ملے اس کو نہ بستر کی جگہ تک تیرے کوچہ میں
تو پھر کیسے ہو اے ظالم ترا بیمار غم اچھا

نہ مانی ایک اس نے لاکھ اس ظالم کو سمجھایا
کہ ہے عاشق کی تربت کے لئے کوئے صنم اچھا

کبھی مڑ کر نہ دیکھا اسطرف کیوں جانے والے نے
سبب یہ ہے کہ اس دنیا سے ہے ملک عدم اچھا

غم و حرماں کا خوگر ہو گیا انساں جب اے حافظ
تو ہے ہر حال میں اس کے لئے رنج و الم اچھا

اگست ۳۸ء

(۴)

دل ہے سینہ میں داغ دار مرا | اور سینہ بھی ہے فگار مرا
نہ ہوا کوئی رازدار مرا | کیا غرض کیوں ہو غم گسار مرا
دل یہ کہتا ہے بار بار مرا | کوئی کرتا ہے انتظار مرا
صدمۂ ہجر کیوں اٹھاتا میں | بخت ہوتا جو کامگار مرا
عیش و عشرت کو ناز تھا مجھ سے | جب زمانہ تھا سازگار مرا
مجھ سے پوچھو جو میری حالت ہے | کوئی کیا جانے انتشار مرا
میرے نالوں نے کر دیا رسوا | اٹھ گیا ہائے اعتبار مرا
اس کو لے کر کدھر نکل جاؤں | دل جو رہتا ہے بے قرار مرا
میرے پہلو میں چین سے رہتا | دل پہ ہوتا جو اختیار مرا
اللہ اللہ شانِ بربادی | اس کے دامن پہ ہے غبار مرا
رحم آتا نہیں اسے حافظ | دیکھتا ہے وہ حال زار مرا

اکتوبر ۳۹ء

(۵)

حسن ایسا آج تک ہم نے کبھی دیکھا نہ تھا / اس لئے ان کو اگر چاہا تو کچھ بے جا نہ تھا

منہ چھپایا ابر میں مہتاب نے کیا دیکھ کر / اور کیا تھا وہ اگر عکسِ رُخِ زیبا نہ تھا

ہائے اس پیماں شکن نے یہ دیا ہم کو جواب / ساتھ وعدے کے ہمارا وعدۂ ایفا نہ تھا

ہم سے لیتا آ کے وہ صحرا نوردی کا سبق / قیس سرگرداں رہا جنگل میں اک دیوانہ تھا

یہ تو کہئے آپ نے کس کس سے کل وعدے کئے / کیا غرض اس سے کہیں اس بزم میں تھا یا نہ تھا

غیر کی اتنی کہاں ہمت کہ وہ آئے یہاں / کس طرح ہم کو یقیں ہو آپ کا ایما نہ تھا

حسرت و حرماں تاسف یاس و غم رنج و الم / لے خیالِ یار تو جب دل میں آیا کیا نہ تھا

روح قالب سے جدا ہے گاہ پھر قالب میں ہے / دردِ دل اٹھتا تھا پہلے بھی مگر ایسا نہ تھا

ہو گئے حافظ خفا وہ اک ذرا سی بات پر / اس لئے میں رازِ دل اُن سے کبھی کہتا نہ تھا

نومبر ۳۸ء

(۶)

نہ وہ احباب کے جلسے نہ وہ ایام شباب
ضعف و تنہائی کے باعث مری حالت ہے خراب

پارہ پارہ جو یہ رہتا ہے ہمیشہ بے تاب
دل مضطر میں ہے کیا خون کے بدلے سیماب

بند رہتے ہیں مرے سینہ میں ساون بھادوں
دل میں ہے برق تپاں دیدۂ گریاں میں سحاب

جوش میں رہتی ہیں ہر وقت فنا کی موجیں
کشتیٔ زیست ہے اب جیسے ہو دریا پہ حباب

اپنا پیمانۂ غم رکھ دوں اگر خم کے قریب
نشہ اڑ جائے کوئی مست نہ ہو پی کے شراب

ہم سمجھتے تھے خوشی جس کو وہ تھا ایک فریب
خلق دنیا جسے کہتی ہے وہ ہے ایک سراب

لوگ کہتے ہیں حزیں رہتے ہو کیوں ای حافظ
کیا کہوں زندہ دلی کے نہیں کچھ بھی اسباب

اپریل ۳۹ء

(۷)

وہ مان لے جو ذرا مجھ صلاح کار کی بات — تو سو کے منہ نہ پڑے میری اور یار کی بات

خدا کرے تری قاصد زباں میں آگ لگے — سنائی آ کے وہی تو نے انتشار کی بات

نظر پڑے کوئی گلفام اور نہ دل آئے — بھلا ہوئی ہے کسی کے یہ اختیار کی بات

مزے شباب کے لیتے ہیں عہد پیری میں — خزاں کی فصل میں کرتے ہیں ہم بہار کی بات

پڑا ہے غیر جو چپ کر تو یار کے در پہ — ذرا یہ دیکھئے بدمست ہوشیار کی بات

ہزار بات کی اک بات تم سے کہتا ہوں — مری سنو نہ سنو تم کبھی ہزار کی بات

ہمیشہ تم سے شکایت رہی یہ حافظ کو — سنی نہ تم نے کبھی اپنے جاں نثار کی بات

جولائی سنہ ۱۶ء

(۸)

بات تمہاری آج تک کوئی ہوئی ہے کب غلط
تم جو کہو وہ سب بجا ہم جو کہیں وہ سب غلط

آپ کا وعدہ کل بھی تھا آج ہے وعدہ دوسرا
قول و قرار آپ کا جب نہ غلط نہ اب غلط

دل میں تھی موجزن خوشی شوق فزوں تھا ہر گھڑی
دن میں جو کچھ امید تھی ہو گئی وقت شب غلط

کیوں نہ گیا پیامبر غیر کے پاس بھول کر
ایسی سنائی آ کے بات ہو گیا سب طرب غلط

غیر کہے وہ سب درست آپ کہیں وہ سب بجا
بات ہماری حق بھی ہو ہوتی ہے بے سبب غلط

غیر کا دعوئے وفا کذب کی انتہا نہیں
آ کے سنائی داستاں ایک سرے سے سب غلط

حافظ حق پسند کی بات کی قدر تھی کبھی
حرف غلط کی طرح کیوں ہو گیا خود وہ اب غلط

اکتوبر ۳۹ء

(۹)

گاہ دل پر ہے نظر اور گاہ پیکاں کی طرف
اس مکاں کو دیکھتا ہوں اور مہماں کی طرف

دیکھتا ہے دل مرا گیسوئے پیچاں کی طرف
یہ اسیرِ عشق خود جاتا ہے زنداں کی طرف

کیا کیا ہم نے گئے جب کوئے جاناں کی طرف
اس کا در دیکھا کئے یا اس کے درباں کی طرف

دید یا سودائے الفت میں کسی کے اپنا دل
دیکھنا بے سود ہے اب نفع و نقصاں کی طرف

روز شوقِ دید میں رہتا ہوں گھنٹوں زیرِ بام
دیکھتا ہوں پھر بڑی حسرت سے ارماں کی طرف

آپ کو آرائشِ گیسو سے فرصت ہی نہیں
کب نظر ہوگی مرے حالِ پریشاں کی طرف

وائے ناکامی مری نکلی وہ تصویرِ خیال
جب بڑھایا ہاتھ میں نے اس کے داماں کی طرف

ایک لذت ہے تڑپنے میں بھی ان کے سامنے
دیکھنا ان کے تبسم ہائے پنہاں کی طرف

دشتِ غربت میں مری جانب ادھر کانٹے جھکے
شوق سے داماں بڑھا خارِ بیاباں کی طرف

دیکھئے تیرِ نظر کرتا ہے اب کیا کیا ستم
لے چلا ہے دل مرا پھر کوئے جاناں کی طرف

اس کے آنے کی خبر بھی تو صبا لاتی کبھی
روز آتی ہے مری شمعِ شبستاں کی طرف

چار تنکے لائی بلبل باغ میں کس شوق سے
رنج و غم سے کیوں نہ دیکھے برق و باراں کی طرف

کشتۂ ناز و ادا فریاد اپنی بند کر
آ رہے ہیں آج وہ گورِ غریباں کی طرف

دشت و صحرا سے دلِ ویراں ہمارا کم نہیں
کیا کریں گے جا کے حافظ ہم بیاباں کی طرف

جنوری ۳۷ء

(۱۰)

ہے گلشن حیات کی وہ رازدان عشق
بلبل سنے گی شوق سے میرا بیان عشق

ہر کام کا وقار ہے انجام سے یہاں
عشاق کی فنا سے ہے وابستہ شان عشق

چھانی بہت تلاش وفا میں یہاں کی خاک
آخر عدم کی راہ گئے رہروان عشق

سوئے ہیں لوگ شہر خموشاں میں اوڑھ کر
آرام کر رہا ہے وہاں کاروان عشق

آہیں اگر کوئی نہیں کرتا ہے زیر خاک
کیوں ہے دہانِ کوہ سے جاری دخان عشق

ہر وقت دل میں پیکر جاناں ہے جلوہ گر
اللہ برقرار رکھے یہ مکانِ عشق

ہر برگ گل میں بوئے محبت ہے موجزن
یہ عالم شہود ہے اک بوستان عشق

ہر چیز کے وجود میں پوشیدہ ہے کشش
ہر ذرہ کائنات کا ہے ترجمان عشق

موج صبا بھی کرتی ہے الفت کی گفتگو
برگِ شجر ہر ایک ہے گویا زبان عشق

خورشید کے طواف میں مصروف ہے زمیں
سینہ میں اس کے بند ہے سوز نہان عشق

مندر میں لوگ نغمۂ الفت میں مست ہیں
آتی ہے مسجدوں سے صدائے اذان عشق

مقصد ہے سب کا ایک فقط نام کا ہے فرق
دیر و حرم وہی ہیں جو ہے آستان عشق

راز الست روز بیاں کرتے ہیں طیور
ہوتا ہے وقت صبح ہر اک نغمہ خوان عشق

حافظ نہیں ہے بحر فنا میں اسے گزند
جس کشتیِ حیات پہ ہے بادبان عشق

مارچ ۳۷ء

(۱۱)

سن لیں مری زباں سے اگر وہ بیانِ عشق
ہوگی نہ پھر پسند کوئی داستانِ عشق

بدلے میں اک نگاہ کے ہے نذر لختِ دل
سینہ مرا نہیں ہے یہ ہے اک دکانِ عشق

گوہر ہیں چشم تر کے یہ دل ہے یہ نقدِ جاں
لایا ہوں نذر کے لئے یہ ارمغانِ عشق

سن لو تم ایک بار تو قصہ تمام ہو
محشر میں کیوں بیان کروں داستانِ عشق

شکوے ہیں شکر یہ ہے کچھ آہ و فغاں بھی ہے
ان کے بغیر ہو نہیں سکتا بیانِ عشق

شمشیر اور سناں کی ضرورت کہاں رہی
ہوتا ہو اک نگاہ میں جب امتحانِ عشق

برباد ہے بہار تبا ہی میں ہے قلات
اللہ اب دکھائے نہ سوزِ نہانِ عشق

ضرب المثل رہے گا محبت میں میرا نام
آئیں گے میرے بعد فقط نوحہ خوانِ عشق

مارچ ۳۷ء

(۱۲)

کیا کیا مصیبتوں میں پڑے آشیاں سے ہم
یارب جدا ہوں اب نہ قفس کے مکاں سے ہم

کیا ہو گیا کہ دل کو قرار و سکوں نہیں
کھوئے ہوئے سے آئے ہیں کوئے بتاں سے ہم

تیغ نگہ نے قتل میں کوئی کمی نہ کی
حیرت ہے زندہ آئے ہیں کیسے وہاں سے ہم

اس کی جفا و جور کا کب تک گلہ کریں
بیزار ہو گئے ہیں خود اپنے بیاں سے ہم

شکوے تمام بھول گئے اس کو دیکھ کر
ٹھہرے قصوروار خود اپنی زباں سے ہم

منزل ہے دور ضعف سے اٹھتے نہیں ہیں پانوں
شائد ملیں گے اب نہ کبھی کارواں سے ہم

دنیا کی بے وفائی سے اکتا گیا ہے دل
جاتے ہیں کچھ بڑھے ہوئے عمر رواں سے ہم

طاقت نہیں زباں میں کریں عرض مدعا
مجبور ہو گئے ہیں دلِ ناتواں سے ہم

یارب ہمارے واسطے دنیا نئی بنے
ہے یہ جہان ہم سے جدا اور جہاں سے ہم

ہے زندگی میں لطف اگر کچھ تو ہے یہیں
مر کر ہی اب اٹھیں گے ترے آستاں سے ہم

مظلوم کی فغاں کے اثر سے خدا بچائے
سنتا نہیں ہے کیسے کہیں آسماں سے ہم

حافظ نہیں ہے اس کو ہمارا ذرا خیال
لڑتے نہیں فضول کبھی باغباں سے ہم

ستمبر ۲۹ء

(۱۳)

یہ دل میں تیرے قابل دیکھتا ہوں
تجھے شک ہے ترا دل دیکھتا ہوں

پڑا ہوں ناتوانی سے سرِ راہ
بڑی حسرت سے منزل دیکھتا ہوں

کنارہ پر مری کشتی ہوئی غرق
بہت نزدیک ساحل دیکھتا ہوں

نگاہِ یار خنجر سے نہیں کم
ہر اک کو مرغِ بسمل دیکھتا ہوں

بٹھایا غیر کو مجھکو اٹھا کر
نئے آدابِ محفل دیکھتا ہوں

گھرا ہے ابرِ رحمت مےکدہ پر
خدا کا لطف نازل دیکھتا ہوں

کبھی ہوتے ہیں واعظ زیبِ منبر
کبھی رندوں میں شامل دیکھتا ہوں

مری آنکھوں میں ہے تصویرِ جاناں
ہمیشہ ماہِ کامل دیکھتا ہوں

مبارک ہو اثر آہِ رسا کا
اوسے کچھ دل میں قائل دیکھتا ہوں

وہ مقتل کی طرف آتے ہیں حافظ
اب آساں اپنی مشکل دیکھتا ہوں

جنوری سنہ ۳۹ء

(۱۴)

بھرا ہے درد میری داستاں میں — اثر جادو کا ہے میرے بیاں میں

پڑی ہے ایک ہل چل آسماں میں — بڑی تاثیر ہے میری فغاں میں

کروں لے چارہ گر کیوں فکر درماں — بڑی لذت ہے اس درد نہاں میں

کریں وہ شوق سے مشق ستم روز — بہت دم ہے ابھی مجھ خستہ جاں میں

ستا لے اے فلک دل کھول کر تو — یہ جب تک جان ہے مجھ ناتواں میں

نہیں انساں کو راحت زیر گردوں — کسی کو خوش نہ پایا اس جہاں میں

کوئی پوچھے خطا بلبل کی کیا تھی — نہ بیٹھی چین سے وہ آشیاں میں

نہیں ہوتا ہے واعظ کو بھی انکار — بڑی خوبی ہے یہ پیر مغاں میں

کبھی اٹھتا نہ اس کے در سے حافظ — اگر ہوتی مروت پاسباں میں

دسمبر ۳۸ء

(۱۵)

ڈرتا ہوں عرضِ حال سے دھوکا نہ ہو کہیں
وہ روٹھ جائیں اور بھی ایسا نہ ہو کہیں

کب تک تلاش دل کی کروں اور کہاں کہاں
زلفوں میں دیکھ لیجئے الجھا نہ ہو کہیں

قاصد مرے مکاں کی طرف سے گیا جو آج
ہوتا ہے شک مجھے کہ بلایا نہ ہو کہیں

ہو جائے جل کے خاک نہ خود یہ مرا وجود
ڈرتا ہوں آہ کا اثر الٹا نہ ہو کہیں

دل لے کے اپنے پاس بلائیں وہ کس لئے
یہ بھی تو سوچتے ہیں تقاضا نہ ہو کہیں

اے شیخ تیری بات کا کیا اعتبار ہو
پردے میں اس عبا کے بھی دنیا نہ ہو کہیں

مدت ہوئی کہ دل کو قرار و سکوں نہیں
پھرتا ہے جیسے اس کا ٹھکانا نہ ہو کہیں

ان کا مریضِ غم ہے کئی دن سے جاں بلب
وہ دل میں سوچتے ہیں بہانہ نہ ہو کہیں

کوئے بتاں میں تیرا گزر ہے جو بار بار
اے دل تو ایسی باتوں سے رسوا نہ ہو کہیں

حافظ کی چشمِ تر پہ نظر چاہئے ضرور
یہ تار اشک دیکھئے دریا نہ ہو کہیں

جنوری سنہ ۴۰ء

(۱۶)

کہہ دو یہ جناب واعظ سے میخانہ شارع عام نہیں

رندوں سے نہیں جب ہمدردی پھر آپ کا اس جا کام نہیں

مے خوار بڑی تکلیف میں ہیں۔ اب چین نہیں آرام نہیں

ماخوذ نہ ہوں یہ بے چارے۔ دنیا میں کوئی الزام نہیں

وہ شوق نہیں وہ ذوق نہیں وہ وقت نہیں ایام نہیں

رہتے ہیں نہایت رنجیدہ۔ وہ فصل نہیں ہنگام نہیں

صورت ہے نہایت پژمردہ۔ رہتی ہے طبیعت افسردہ

ہیں شوق دلوں کے سب مردہ۔ اک روز بھی دورِ جام نہیں

مے خانہ کی حالت ابتر ہے۔ کیا خاک کریں اب مے نوشی

خم ہے تو نہیں ہے مے اس میں۔ سالم ہے سبو تو جام نہیں

افلاس نے ایسا گھیرا ہے۔ ہر روز ہے گھر میں فاقہ کشی

جامہ ہی نہ تن پر ثابت ہے۔ اور جیب میں انکے دام نہیں

ڈگری سے اماں ملتی ہی نہیں۔ ہوتی ہے عدالت سے قرقی

اتوار ہی خالی جاتا ہے جس روز کہ گھر نیلام نہیں

افسوس بجز دشنام کبھی۔ اک روز نہ ان کو یاد کیا

تکفیر زباں پہ ہر دم ہے۔ اور پیش نظر انجام نہیں

ہر کام کا ایک نتیجہ ہے۔ قسمت کی شکایت بے جا ہے
اعمال بُرے ہوں جب اپنے تقدیر پہ کچھ الزام نہیں

اخلاص و محبت غائب ہے۔ دنیا میں بہت ہے مکر و ریا
قسمت سے ہوا بھی دوست کوئی تو اس میں وفا کا نام نہیں

اخلاق کی کچھ اصلاح کرو۔ کچھ راہ معیشت بتلا دو
ہر وقت مذمت جاری ہے۔ اور ہمدردی کا نام نہیں

رندوں کی مذمت بند کرو۔ وہ زندہ رہیں یہ فکر کرو
وہ وقت نہیں ہے دور بہت سن لوگے کہ باقی نام نہیں

مے خواروں کی حالت خستہ ہے وہ بات کہو جو گلے اترے
افسوس تو یہ ہے اے حافظ۔ جو پیتے ہیں بدنام نہیں

اے طائر روح اگر تجھ کو اس قالب میں آرام نہیں
"معلوم نہیں آئینِ قفس ۔ آگاہ طریق دام نہیں"

اے قلب تجھے اس سینہ میں۔ زیبا نہیں ہر دم بے چینی
ہرگز یہ نہیں دستورِ قفس۔ ہرگز یہ طریق دام نہیں

اے لذتِ قید سے ناواقف تو لطف اسیری کیا جانے
آغاز کو تو نے دیکھا ہے معلوم تجھے انجام نہیں

صیاد کی ہر دم شاکی ہے۔ اے بلبل باغ میں آئی کیوں
جب قلب میں استقلال نہیں اور ضبط میں استحکام نہیں

ہے کنج قفس آرام کی جا جب تک ہے قرار و صبر و سکوں
مضبوط اگر ہو دل تیرا ۔ صیاد پہ کچھ الزام نہیں

بہتر ہے رہے تو مہر بہ لب فریاد و فغاں بے سود ہے سب
اس شکوہ لاطائل کے سوا کیا تیری زباں کو کام نہیں

آباد وہی گھر رہتا ہے جب دل میں ہوں ارمان بھرے
اک لذّت خاص ہے زنداں کی مل جائے جسے ناکام نہیں

یہ بات ہمیں معلوم ہوئی اس شہر خموشاں سے حافظ
جب تک یہ زباں خاموش نہیں وہ نیند نہیں آرام نہیں

فروری ۳۵ء

(١٧)

شکستہ حال ہوں مجروح و دل فگار ہوں میں
اسیرِ رنج ہوں آلام کا شکار ہوں میں

نظر ہے در پہ ترے محوِ انتظار ہوں میں
بس اک نگاہِ کرم کا امیدوار ہوں میں

گناہِ عشق کیا ہے قصوروار ہوں میں
تم ایک بار کہو گے ہزار بار ہوں میں

کبھی ہے سوزشِ دل اور کبھی ہے سوزِ جگر
تپش سے صورتِ سیماب بے قرار ہوں میں

نہ رازدار کوئی ہے نہ غم گسار کوئی
شکستہ دل ہدفِ تیرِ روزگار ہوں میں

یہ کہہ رہا ہوں زمانہ سے مت مٹا مجھ کو
قدیم رسم و روایت کی یادگار ہوں میں

فلک سے کہہ دو مرا امتحان ہے بے سود
جو کچھ ہے دل میں مرے اس میں استوار ہوں میں

ابھی گیا ہے جو اس رہ سے کاروانِ جلیل
اسی جلال کا پس ماندہ اک غبار ہوں میں

ملا دیا ہے زمانہ نے حق و باطل کو
وفا کی قدر نہیں اور وفا شعار ہوں میں

ہوں بیخودی میں بھی واقف عدو کی چالوں سے
ہزار ہوش نہیں پھر بھی ہوشیار ہوں میں

مری زبان سے سن لو حدیثِ مطرب و مے
کہ اس خزاں میں بھی اک آیۂ بہار ہوں میں

ہزار مے کا ہے کفارہ اک مئے عرفاں
پئے ہوئے ہوں اسے گرچہ بادہ خوار ہوں میں

عجب نہیں ہے مری لوحِ معصیت دھل جائے
اسی امید میں دن رات اشکبار ہوں میں

ملے گا تیری خوشامد سے کیا مجھے واعظ
کرے گا عفو وہ جس کا گنہگار ہوں میں

گنہ کے ساتھ ہے سامانِ مغفرت حافظ
قصور جتنے ہیں اتنا ہی شرمسار ہوں میں

جنوری ۱۹۳۶ء

(١٨)

ہر وقت الجھتا ہے یہ دل زلف دوتا میں ۔ سمجھاتا ہوں کم بخت نہ پڑ جا کے بلا میں

دیکھو نہ کبھی خوئے ستم اپنی بدلنا ۔ ملتا ہے مزا ہم کو بہت جور و جفا میں

کس لطف سے ایّام گزرتے ہیں ہمارے ۔ دن نالہ و فریاد میں شب آہ و بکا میں

مٹی ہوئی برباد ترے عشق میں ایسی ۔ کچھ خاک کے ذرّے نظر آتے ہیں ہوا میں

کیوں چلدئے میخانہ سے اے شیخ ٹھہرنا ۔ پوشیدہ نظر آتا ہے کچھ آج عبا میں

کہتی ہے یہ توبہ کہ گنہ گار رہیں بہتر ۔ اے دل کبھی بھولے سے بھی پڑنا نہ ریا میں

کر دوں شب فرقت کا بیاں حشر میں لیکن ۔ ڈرتا ہوں طوالت نہ پڑے روز جزا میں

مرنا جسے کہتے ہیں وہ ہے زیست کا آغاز ۔ ملتی ہے بقا سب کو اسی راہ فنا میں

کس کے لئے اللہ نے جنّت کو بنایا ۔ بندے تو یہاں رہتے ہیں ہر وقت خطا میں

مقبول ہوئی حشر میں گر میری خجالت ۔ مل جائے گی جنّت بھی گناہوں کی سزا میں

واعظ کہے کچھ بھی ہمیں معلوم ہے یا رب ۔ سو خلد ہیں پوشیدہ تری ایک رضا میں

ہل جاتی ہے دنیا مری فریاد سے حافظ ۔ تاثیر غضب کی ہے مری آہ رسا میں

جنوری ۳۹ء

(۱۹)

زندگی رکھنے کے جب قابل نہیں — اس کے رکھنے سے بھی کچھ حاصل نہیں

بحرِ غم میرا ہے ناپید اکنار — ہر طرف دریا ہے اور ساحل نہیں

میری قسمت میں نہیں کوئی خوشی — جس میں پہلو رنج کا شامل نہیں

روتے روتے ہو رہی ہے عمر ختم — رنج و غمِ دل کا مگر زائل نہیں

زندگی کا لطف ارمانوں سے ہے — آرزو جس میں نہیں وہ دل نہیں

سن لیا واعظ بیان حور و خلد — کیا کروں دل اس طرف مائل نہیں

تیرہ و تاریک ہے دنیا مری — جب سے گھر میں وہ مہ[۵] کامل نہیں

ایک دن مٹ جائیگا کل رنج و غم — مستقر دنیائے آب و گل نہیں

صبر کر حافظ خدا کے واسطے — غم ترا گو صبر کے قابل نہیں

ستمبر ۶۳۸ء

۵؎ خدا مغفرت کرے۔

(۳۰)

آشنائے دردتو اے خوگرِ عشرت نہیں
لذتِ غم کے برابر دوسری لذّت نہیں

قدر و قیمت دل کی ہے جبتک ہے اسمیں موجِ درد
جسمیں رنگ و بو نہو اس گل کی کچھ وقعت نہیں

نالۂ شبگیر ہو پرجوش ہو طوفانِ اشک
ابرِ باراں کی بھی اس کے سامنے قیمت نہیں

لطفِ دردِ دل سے تو ہے بیخبر اے چارہ گر
اس جہاں میں اس سے بڑھکر دوسری نعمت نہیں

یہ جگر باقی ہے غم کی میہمانی کے لئے
دل سبک خاطر ہے اسمیں خون کی رنگت نہیں

دل دیا ہے جس کو واعظ ہے نہیں اسکی تلاش
حورِ جنت سے شناسائی نہیں الفت نہیں

دولتِ دنیائے دوں سرچشمۂ افکار ہے
بادشاہی کو فقیری سے کوئی نسبت نہیں

زیست میں میری لکھی تھی اک غمِ جانکاہ کی
مل گیا قسمت سے وہ بھی اب کوئی حسرت نہیں

ہوگیا افسوس حافظ نامرادِ آرزو
ڈھونڈھتا ہے اور کہیں تسکین کی صورت نہیں

مئی ۳۸ء

(۳۱)

جس کا بگڑا ہوا مقدر ہو ۔۔۔ اس کے حصے میں چین کیونکر ہو

اے فلک تجھ سے اب نہیں امید ۔۔۔ مجھ کو راحت کبھی میسر ہو

اس سے کیا خاک ہو صفائی مری ۔۔۔ جب مقدر ہی خود مکدر ہو

جھوٹ ہی کر دو وعدۂ فردا ۔۔۔ کچھ تو تسکین قلب مضطر ہو

وہ مسیحا نفس گر آ جائے ۔۔۔ ہے یقیں زندگی مکرر ہو

بزم اغیار ہے یہاں ہر روز ۔۔۔ کوئی میرا بھی دن مقدر ہو

اے ستمگر نظر نہ ہم سے ہٹا ۔۔۔ تیر جب تک نہ دل کے باہر ہو

مرنے والا تو رک نہیں سکتا ۔۔۔ آپ بھی دیکھ لیں تو بہتر ہو

یوں تو حافظ ہیں گردسو آنکھیں ۔۔۔ وہ نگہ چاہیے جو نشتر ہو

جولائی ۳۹ء

(۲۲)

چمن سے دور قفس کا ہے امکاں مجھ کو
"کیا بہار میں محروم آشیاں مجھکو"

کیا ہے ضعف نے اس درجہ ناتواں مجھ کو
کہ اپنی سانس بھی اب ہوگئی گراں مجھکو

قرار و صبر و سکوں دل سے ہوگئے غائب
ہوا شباب کچھ ایسا بلائے جاں مجھکو

خرام ناز سے پامال ہوگئے انجم
پتہ کسی کا بتاتی ہے کہکشاں مجھکو

رفیق عمر ہے رہنے بھی دے اسے اے چرخ
اب اپنے غم کی جدائی بھی ہے گراں مجھکو

ہیں بزم یار میں اغیار ان کی قسمت ہے
ادھر نصیب نہیں سنگ آستاں مجھکو

نہ غیر کا ہو گزرا اور نہ رنج درباں سے
بڑا مزا ہو بنا لے جو پاسباں مجھکو

قدم قدم پہ یہ کوشش ہے خاک میں مل جاؤں
یہ کارواں کا بتائے گی کچھ نشاں مجھکو

کروں گا بند نہ فریاد و فغاں اپنی
خدا نے دی ہے یہ پھر کس لئے زباں مجھکو

ملے گا کیا تجھے قاتل مرے تڑپنے سے
چلا جو چھوڑ کے اس طرح نیم جاں مجھکو

صدائے برگ خزاں ہے بہت عزیز مجھے
ہر ایک اپنی سناتا ہے داستاں مجھکو

یہ بے خودی نہیں قسمت کی یاوری سمجھو
اسی بہانہ سے لے جاتی ہے وہاں مجھکو

تری تلاش میں آیا ہوں کوئے دشمن میں
کہاں سے کھینچ کے لائی ہے یہ کہاں مجھکو

کسی کی یاد میں لطف بہار ہے حافظ
نہیں ہے باغ میں اندیشۂ خزاں مجھکو

دسمبر ۴۶ء

(۲۳)

ہے دنیا میں خوشی سے غم زیادہ
یہاں شادی ہے کم ماتم زیادہ

خوشی و خرّمی ہے شاذ و نادر
مگر غم ہر جگہ ہے کم زیادہ

مجھے ہوتا ہے جس دن جوشِ گریہ
اسی شب ہوتی ہے شبنم زیادہ

سنبھل جا دیدۂ گریاں خدارا
کہ اب سیلاب ہے ہر دم زیادہ

ہوئی ہے دردِ دل میں تھوڑی تخفیف
ہے اب کچھ کم مگر تاہم زیادہ

ترقی پر اِدھر ہے بے قراری
تغافل کا اُدھر عالم زیادہ

نگاہِ لطف ہو تھوڑی اِدھر بھی
نہیں کچھ چاہتے ہیں ہم زیادہ

اُدھر بے التفاتی روز افزوں
اِدھر آہ و فغاں پیہم زیادہ

ہے حیراں آئینہ صد چاک شانہ
وہ گیسو ہوتے ہیں برہم زیادہ

بڑا دھوکا ہے اس کی دوستی میں
محبّت کا بھرے جو دم زیادہ

جو ساغر ہاتھ میں ہے اپنے حافظؔ
نہیں ہے اس سے جامِ جم زیادہ

دسمبر ۱۹۲۹ء

(٣٧)

ترے دربار میں ہم خوار تھے غیروں کی عزت تھی
کسی کا کیا گلہ ہمیں یہ اپنی اپنی قسمت تھی

صبا لائی ہماری خاک نا حق کوئے جاناں سے
وہ بربادی کی حالت اسکی پھر بھی غنیمت تھی

گلہ دل کا نکلتا تھا زباں سے شکریہ بن کر
ملے جب وہ نہ آیا یاد کیا اُن سے شکایت تھی

نگاہِ خشمگیں ہوتی ہے اکثر پردۂ الفت
ہمیں شک تھا خفا ہیں اور وہ انکی محبت تھی

نہ ہوتا ہائے قسمت میں ہماری گر غم و غصہ
ہمارے واسطے اے شیخ یہ دنیا ہی جنت تھی

مجھے معلوم ہوتا تھا قیامت آگئی شاید
بیانِ حضرتِ واعظ میں کچھ ایسی طوالت تھی

ملی ہے آج اک بستر کی جا مشکل سے اے حافظ
زمین کوئے جاناں ایکدن اپنی ولایت تھی

دسمبر ۱۸ء

(۲۵)

ارماں نہ ہوں تو ہیچ ہے انساں کی زندگی
اللہ رے نہ حسرت و حرماں کی زندگی

کیا پوچھتے ہو ہستیٔ بے جاں کی زندگی
ہر لحظہ ایک عمر ہے ہجراں کی زندگی

دل میں لہو نہیں ہے جگر میں رفو نہیں
کس کام کی ہے بے سر و ساماں کی زندگی

ممکن نہیں ہے دل سے زباں تک بھی آ سکے
اتنی قلیل ہے مرے ارماں کی زندگی

سینہ میں حسرتوں سے ہے ہر روز کشت غم
ہے نامراد زیست بھی دہقاں کی زندگی

باغِ جہاں میں فصل خزاں کو دوام ہے
دو روز کی ہے بس گُلِ خنداں کی زندگی

مجنوں کے دل سے پوچھئے لطفِ بہارِ دشت
ہے باغ سے لطیف بیاباں کی زندگی

رنج و الم تمام ہیں قیدِ حیات میں
اک روز ختم ہوگی یہ زنداں کی زندگی

آرام سے پڑے ہیں قیامت کی نیند ہے
کیا زندگی ہے شہرِ خموشاں کی زندگی

انجام کار ہوں گے وہی لوگ خوش نصیب
جو اس جہاں میں رہتے ہیں مہماں کی زندگی

حافظ نسیم لطف کی کافی ہے ایک موج
یہ زندگی ہے شمع شبستاں کی زندگی

دسمبر ۴۷ء

مرے سینے سے رنج و غم کی طغیانی نہیں جاتی
الٰہی کیا کروں دل کی پریشانی نہیں جاتی

مجھے غیروں نے جھوٹے دعوئے الفت سے کیا مسلوب
غضب یہ ہے مری حق بات بھی مانی نہیں جاتی

کیا اس چشم عشق افروز نے برباد دنیا میں
مگر پھر بھی نظر کی فتنہ سامانی نہیں جاتی

تحیر ہے محبت کے نتائج تو نے دیکھے ہیں
مگر افسوس اے دل تیری نادانی نہیں جاتی

پڑے ہیں پیچ سنبل میں یہاں آئینہ حیراں ہے
تعجب ہے کہ گیسو کی پریشانی نہیں جاتی

جہاں میں ہر طرف سامان عشرت بھی مہیا ہے
سبب کیا ہے مری غم کی فراوانی نہیں جاتی

دلایا یاد اس پیمان شکن کو وعدہ کیوں میں نے
پریشاں ہوں کسی صورت پشیمانی نہیں باقی

ہزاروں نامور آکر بسے شہر خموشاں میں
مگر اس سرزمیں کی پھر بھی ویرانی نہیں جاتی

پئے دریافت اسرار حقیقت سب ہیں سرگرداں
فلک کے پار لیکن عقل انسانی نہیں جاتی

نتیجہ نیک ہے ایثار کا دنیا و عقبےٰ میں
حقیقت میں کبھی بے کار قربانی نہیں جاتی

اثر کیا خاک ہو میری فغاں کا اُس پہ اے حافظ
مری آواز تک اس گھر میں پہچانی نہیں جاتی

دسمبر ۳۵ء

(۴۷)

تسکین میں اشکوں نے مرے آگ لگا دی
جو بات کہ ممکن نہ تھی وہ کر کے دکھا دی

کہتا ہے وہاں حال نہ لاتا ہے خبر یاں
قاصد نے یہ سیکھا ہے کہ کچھ بات بنا دی

اے خضر بتا دے ہمیں راہِ دلِ جاناں
تو نے فقط اس کوچہ کی اک سمت بتا دی

کہتی رہی بلبل کہ نہیں طاقتِ پرواز
صیاد نے ہر بات مگر اس کی اُڑا دی

پورا نہ فرشتوں نے کیا حق رفاقت
فہرست گناہوں کی نہ دنیا میں دکھا دی

اس مجمع رنداں میں نیا ایک نہیں ہے
کیا چھوٹتی ہے اُن سے جو پینے کے ہیں عادی

ناصح کو نہ سمجھا تھا کہ کم ظرف ہے ایسا
کیا دھوم مچائی ہے جو تھوڑی سی پلا دی

انکار کیا اس نے مرے قتل سے حافظ
آخر میں بھی تقدیر نے افسوس دغا دی

فروری ۳۳ء

(۳۸)

جو فانی نہ ہوتی ہماری جوانی — بڑے لطف کی چیز تھی زندگانی

مرا مدعا کیا تھا میں خود نہ سمجھا — کچھ ایسی ہے میری پریشاں بیانی

ہماری سنی آج تک تو نے کس دن — تری بات بھی ہم نے مانی نہ مانی

یہ کہنے کی باتیں ہیں سب تیری قاصد — نہ خط لے کے آیا نہ کچھ ہے زبانی

جگر تھام کر بیٹھ جاؤ گے اپنا — کسی دن جو سن لو گے میری کہانی

نہیں اسکے در سے جو اٹھنے کی طاقت — بھلا ہو ترا اے مری ناتوانی

غم انساں کا دیتا ہے کچھ ساتھ حافظ — مگر عیش ہوتا نہیں جاودانی

مارچ ۴۷ء

(۳۹)

مکاں میرا ازل سے ڈھونڈھتی پھرتی تھی ویرانی
نہایت شوق سے کی دل نے رنج و غم کی مہمانی

ذرا اس کو نہیں ملتا سنگھار اسکا نہیں بنتا
مرے دل سے ترے گیسو نے سیکھی ہے پریشانی

خطائے فاش ہے ہم نے جفا کو کیوں جفا سمجھا
قیامت تک نہ جائے گی ہماری یہ پشیمانی

بتائیں کیا تمہاری اک نہیں سے ہم پہ کیا گزری
امیدیں تھیں ہزاروں ہائے جن پر پھر گیا پانی

عدو کے قول کی تم نے ہمیشہ پاسداری کی
ہماری بات لیکن آج تک اک بھی نہیں مانی

نظر آتا ہے آساں سب جسے دشوار کہتے ہیں
طریق عشق میں ہر ایک دشواری ہے آسانی

مزہ دیتا نہیں حافظ رخ و گیسو کا نظارہ
مثال آئینہ جب تک نہ ہو آنکھوں میں حیرانی

مارچ سنہ ۴۴ء

(۱۳۰)

بہار آئی ہے ہر اک شادماں ہے — خدا جانے ہمارا دل کہاں ہے

نہ پوچھو حال کچھ بیمارِ غم کا — جو حالت ہے وہ صورت سے عیاں ہے

یہ دل کہنا نہیں سنتا کسی کا — بڑی مشکل میں جانِ ناتواں ہے

کہاں ممکن کفِ پا تک رسائی — غنیمت ہم کو سنگِ آستاں ہے

بڑی سختی ہے ہم پر پاسباں کی — رقیبوں کے لیے وہ بے زباں ہے

نہاں ہے اس کی زلفوں میں مرا دل — پڑا رہنے دو اچھا ہے جہاں ہے

شبِ فرقت نہ ہوگی ختم یارب — اجل کو کیا ہوا ہے وہ کہاں ہے

نہیں ہے ضد سکوں کو میرے دل سے — غضب یہ ہے کہ دشمن آسماں ہے

مسافر دل کو سمجھائے کہاں تک — نشاں ملتا ہے اور گم کارواں ہے

ادھر ناصح تری یہ خشک باتیں — ادھر اس کی ادائے دلستاں ہے

وہ بولے سن کے حافظ کی شکایت — گلہ ہے یا کوئی یہ داستاں ہے

فروری ۳۹ء

(۳۱)

ہماری آج کل ہمت فقط آہ و فغاں تک ہے
دلِ بیتاب کا کل جوش بس اسکے بیاں تک ہے

قدم رکھا تو میدانِ عمل میں ٹھوکریں کھائیں
ہمارے حوصلو کی شان بس دل سے زباں تک ہے

الٰہی پھر نہ ہوگا ابر و برق و رعد گلشن میں
مصیبت اسجگہ کیا صرف میرے آشیاں تک ہے

کبھی اک دن خدارا سرگزشتِ عاشقاں سن لو
کہ انکا نام باقی اب فقط اس داستاں تک ہے

تعجب ہے نظر آتا نہیں تجھ کو ستم اپنا
ترے در پر ابھی باقی مرے خوں کا نشاں تک ہے

جفا اور ظلم کی فریاد لے کر ہم کہاں جائیں
رسائی غیر ممکن تیرے سنگِ آستاں تک ہے

ترا ظلم و ستم تجھ کو نہیں معلوم اے ظالم
تری بیداد کا اک شور سقفِ آسماں تک ہے

چلیں گے کام اس دنیا کے میرے بعد بھی لیکن
تری محفل کی یہ رونق فقط مجھ خستہ جاں تک ہے

خزاں جائیگی جس دن پھر وہی جوشِ جنوں ہوگا
خموشی باغِ عالم میں مرے خوابِ گراں تک ہے

عدو سے کہدو جب چاہے ہمارا امتحاں کر لے
ہمیں بھی دیکھنا ہے حوصلہ اس کا کہاں تک ہے

ہماری حق پرستی کی مثال ایسی ہے اے حافظ
رہے گا ذکر باقی یہ جہاں جبتک جہاں تک ہے

فروری سنہ ۴۷ء

(۳۴)

رُخ پہ لہراتے ہیں گیسو ترے کالے کالے
ہے یہ نیرنگ کہ آتش کے ہوئے پر کالے

ہائے آغازِ محبّت تھا نہایت دل کش
کیا خبر تھی مجھے پڑ جائیں گے جاں کے لالے

نگہِ یار بھی ہے ایسی ستم کی خوگر
چین اس کو نہیں جب تک نہ مجھے تڑپا لے

کس طرح تم سے کروں سوزِ دروں اپنا بیاں
بات کرتا ہوں تو پڑتے ہیں زباں میں چھالے

دل کا ہر دم یہ تقاضا ہے سوئے دشت چلو
میں یہ کہتا ہوں کہ کم بخت ذرا سستا لے

آفریں ہے ترے اس دیدۂ تر کو بلبل
آنسوؤں سے کئے سیراب چمن کے تھالے

سخت حیرت ہے کہ اس کو نہ ہوئی میری خبر
آسماں سے بھی گزر جاتے ہیں میرے نالے

غمِ عشاق سے رہتے ہیں حسیں یا لاتر
کیا غرض ان کو اگر مرتے ہیں مرنے والے

اس کو حافظ مرے آنے سے کچھ ایسی ضد ہے
گیا دربان تو دروازوں میں تالے ڈالے

دسمبر ۳۸ء

(۴۳)

دل میں میرے ہر گھڑی دریائے غم لبریز ہے
بات جو منہ سے نکلتی ہے وہ درد آمیز ہے

ضبط کرتا ہوں تو بڑھتا ہے مرا سوز دروں
اشک سے بھی اپنے ڈرتا ہوں کہ طوفاں خیز ہے

پہلے ان آنکھوں سے سیلِ اشک ہوتا تھا رواں
اب وفورِ غم سے میری چشمِ تر خوں ریز ہے

آرزو تک ہو گئی دل کے لئے بارِ گراں
ناتوانی کے سبب ارماں بھی حسرت خیز ہے

ہے عبث سامانِ فرحت غمزدہ دل کے لئے
میرے لب کو خود تبسم سے بڑا پرہیز ہے

دن گئے تفریح کے جب سے ہوا دل غم کدہ
کیا غرض ہمکو اگر دنیا طرب انگیز ہے

اس زمیں پر کر رہا ہے طے مسافت ہر نفس
وہ مبارک ہے قدم جس کا سفر میں تیز ہے

قلبِ حافظ تا دمِ آخر نہ پائے گا سکوں
جملہ سامانِ طرب انگیز وحشت خیز ہے

نومبر ۳۸ء

(۴۴)

باقی ہے تابِ ضبط نہ طاقت فغاں کی ہے
حالت بہت سقیم دلِ ناتواں کی ہے

آنکھوں میں جوش ہے کبھی طوفانِ نوح کا
دل میں مرے تڑپ کبھی برقِ تپاں کی ہے

اے آہِ نارسا ترے نالے ہیں بے اثر
بہتر یہی ہے بات رہے جو جہاں کی ہے

ہوتا ہے جوش گریہ جواب بات بات پر
دل میں مرے یہ چوٹ الٰہی کہاں کی ہے

اے دل تجھے نتیجۂ الفت ہے خوب یاد
اور پھر بھی آرزو تجھے کوئے بتاں کی ہے

جس کو سمجھ رہے ہیں وہ بادل کی اک گرج
فریاد دردناک کسی خستہ جاں کی ہے

بلبل ہے خوش کہ باغ میں ہے خاک آشیاں
یہ کون جانتا ہے کہ مٹی کہاں کی ہے

سونے دیا نہ شورِ قیامت نے قبر میں
سمجھا تھا میں کہ جائے یہ امن واماں کی ہے

رنگِ شفق سے شام کو ملتا ہے یہ پتا
اب آسماں پہ گرد مرے کارواں کی ہے

منصور کی فنا ہے بقائے صدائے حق
آواز دیروں میں ابھی تک اذاں کی ہے

سمجھا رہا ہوں دل کو نہیں پھر بھی اعتماد
وہ بات کہہ رہا ہوں جو انکی زباں کی ہے

ہے دل گداز یوں بھی مری داستانِ غم
تاثیر اس پہ کچھ مرے طرزِ بیاں کی ہے

حافظ یہ کائنات نہ ہو جائے جل کے خاک
بڑھتی ہوئی تپش مرے سوزِ نہاں کی ہے

اکتوبر ۳۸ء

(۳۵)

گریہ کرنے کو ہم تو آ بیٹھے
اب رہے گھر بلا سے یا بیٹھے

عشق کہتا ہے میرے نالوں سے
دل لگی تھی جو دل لگا بیٹھے

ہم کو دیر و حرم ہیں دونوں ایک
جب کسی بت سے دل لگا بیٹھے

کبھی جھانکا نہ بھول کر بھی ادھر
پس دیوار بار ہا بیٹھے

تیری محفل میں کیا قصور ہوا
اور بیٹھے تھے ہم بھی آ بیٹھے

بھول کر دیکھ لے ادھر شائد
اس لئے سب کے ساتھ جا بیٹھے

پہونچے مشکل سے منزل مقصود
کبھی اٹھے کبھی ذرا بیٹھے

مے کدہ میں کمی تھی واعظ کی
لے کے تسبیح وہ بھی آ بیٹھے

دل میں تھا اک خزانۂ غم و رنج
رفتہ رفتہ اسے بھی کھا بیٹھے

کچھ خبر ہے کہ ہم پہ کیا گزری
چھیڑ کر تم تو دور جا بیٹھے

سن لیں ناصح کی بات بھی حافظ
درد دل کا اگر ذرا بیٹھے

اگست ۳۵ء

(۳۶)

جس دل میں تو مکیں ہے کعبہ وہ بالیقیں ہے — دیر و حرم میں تیرا چرچا ہے تو نہیں ہے

موسیٰ کی تاب کیا ہے دیکھے وہ حسن مطلق — نقش و نگار جس کا ہر برگ میں حسیں ہے

کیوں ڈھونڈتے پھریں ہم دیر و حرم میں اس کو — دل میں اگر نہیں ہے تو پھر کہیں نہیں ہے

اس گھر کو پاک کر لے تو عزم حج سے پہلے — دل میں اگر خدا ہے کعبہ ترا یہیں ہے

راہ خدا میں کر دے خود کو فنا جو کوئی — اس کی لحد کے اندر یاں جنت بریں ہے

اعمال کے صلے میں بخشش کا کیا ٹھکانا — رحمت کا اس کی لیکن ہر ایک کو یقیں ہے

کیسے دعا ہو تیری مقبول اے مسلماں — سجدہ میں سر ہے تیرا اور دل ترا کہیں ہے

دشمن ہوئے یہ دونوں کمزور ہم کو پا کر — وہ آسماں ہے تیرا اور یہ تری زمیں ہے

رنج و الم جہاں میں کل زیر آسماں ہیں — آرام سے ہیں جن کے بالائے سر زمیں ہے

حافظ کی یہ دعا ہے دنیا کی کشمکش میں — یارب بچانے والا تیرے سوا نہیں ہے

اکتوبر ۳۹ء

(۳۷)

مرے سینہ میں ارمانوں کا اک شہر خموشاں ہے
مری ہر آرزو دل کے لیے اک آفت جاں ہے

تقاضائے جنوں کے ساتھ پورا ساز و ساماں ہے
ادھر ہے آبلہ پائیں ادھر خار مغیلاں ہے

ازل سے رشتۂ تقدیر ہے الجھا ہوا میرا
مجھے دشوار ہے ہر کام جو دنیا کو آساں ہے

تہ دریا سے اٹھتے ہیں فنا کن آتشیں شعلے
مری یہ کشتئ عمر رواں خود ایک طوفاں ہے

نقاب بے وفائی ہے تبسم غنچہ رویوں کا
چمن میں ہر گل خوش رنگ خنجر زیر داماں ہے

شب فرقت مری ایسی نہیں جو ختم ہو جائے
یہ آمد صبح کی ہے یا مرا چاک گریباں ہے

ہوئی کشت تمنا اس طرح برباد اے حافظ
جہاں ہوتی تھی گل چینی وہاں اب ایک میداں ہے

فروری سنہ ۱۹۴۱ء

(۳۸)

راز اپنا جو کہہ دیا تو نے — دلِ ناداں یہ کیا کیا تو نے
درد دل کی نہ کی دوا تو نے — نہ سنی میری التجا تو نے
صاف ہے کس قدر یہ دادوستد — دل دیا میں نے اور لیا تو نے
نذر میں نے کیا جو اپنا دل — اس کے بدلے میں کیا دیا تو نے
ہو عوض یا نہ ہو کرم ہے ترا — دلِ مضطر تو لے لیا تو نے
راہ پہ مڑ کے کیوں مجھے دیکھا — کی محبت کی ابتدا تو نے
وعدہ کر کے جو لے لیا واپس — اے ستمگر یہ کیوں کیا تو نے
نہیں پہلو میں جب قیام و قرار — اے خدا کیوں یہ دل دیا تو نے
دل لگایا تھا ایک سے حافظ — اے خدا کیوں کیا جدا تو نے

مجھ کو پیدا کیا خدا تو نے — اور سب کچھ عطا کیا تو نے
تیری رحمت کا کچھ حساب نہیں — دی ہے ہر درد کی دوا تو نے
کر کے توبہ سنبھل گیا عاصی — پھر بھی اس کو بچا لیا تو نے
دی ہیں دنیا میں نعمتیں کیا کیا — اپنے بندوں کو اے خدا تو نے

پہلے بتلا دیا گناہ ہے کیا — عفو کی اس کی پھر خطا تو نے

دور پھینکا نہ بعد مردن بھی — پاس اپنے بلا لیا تو نے

رحم تیرا غضب پہ غالب ہے — کیوں بنائی سزا جزا تو نے

ناز اس نے اٹھائے اے حافظ — رو کے دنیا میں کیا کیا تو نے

مئی ۳۹ء

(۳۹)

جو لوگ اس کے کرم اور عطا کو بھول گئے
قصور وار ہیں وہ بھی خدا کو بھول گئے

بیان جنّت و دوزخ بہت سُنا واعظ
ہوا یہ سہو تم اُس کی رضا کو بھول گئے

کبھی پہونچ نہیں سکتے وہ منزل مقصود
جو راہ رو رہ صدق و صفا کو بھول گئے

کنارے کیسے لگے گا سفینۂ ہستی
خدا کو بھول گئے نا خدا کو بھول گئے

پڑھی نماز تو دل میں تھی فتنہ سامانی
دعا کے وقت بھی ہم مدعا کو بھول گئے

سزا کا خوف نہیں ہے جزا کی چاہ نہیں
قصور ایک یہ ہے ہم خدا کو بھول گئے

جناب شیخ کے تقوے کی تھی بڑی شہرت
یقیں ہر ایک کو تھا ما سوا کو بھول گئے

انھیں کبھی فکر معیشت ہوئی جو دامن گیر
تمام فرق روا نا روا کو بھول گئے

گناہ کی کبھی ہوتی نہ ابتدا حافظ
بڑا قصور ہے ہم انتہا کو بھول گئے

جنوری ۱۹۳۱ء

(۴۰)

پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے
میں پریشاں ہوں نہیں آتی غزل خوانی مجھے

عالم پیری میں آئے کس طرح رنگِ شباب
بے محل ہو گی طبیعت کی یہ جولانی مجھے

ولولہ کوئی رہا باقی نہ ذوقِ شاعری
کر گئی بے کار دل کی خانہ ویرانی مجھے

یاد ہیں وہ دن جو مل جاتا تھا کوئی خوبرو
گیسوئے پیچاں بنا لیتا تھا زندانی مجھے

قیس اور فرہاد کا سنتے تھے رتبہ ہے بلند
بارگاہِ غم نے بخشی خاص جہانی مجھے

اے جنوں کب تک گریباں کی اڑینگی دھجیاں
روز رہتی ہے رفوگر سے پشیمانی مجھے

ایسی مے لاؤ کہیں سے جسمیں رنگ و بو نہ ہو
شیخ کی دعوت میں پھر ہو جائے آسانی مجھے

ہجو مے کے ساتھ ہے مرغوب تم کو قرب مے
اس لئے کرنا پڑی اے شیخ نگرانی مجھے

دل نے چاہا آج کچھ رنگ زمانہ نظم ہو
اس لئے لکھنا پڑا اک مطلع ثانی مجھے

مطلع ثانی

پارک میں آئی نظر وہ شکل نورانی مجھے
شیخ سے اب کیا ملے گا فیض روحانی مجھے

ہر طرف کم ہو رہا ہے اندنوں خوف خدا
دیکھ کر دنیا کی حالت ہے پریشانی مجھے

آرہی ہیں پر خطر موجیں نئی تہذیب کی
یا الٰہی چاہئے تیری نگہبانی مجھے

ہوٹلوں میں جاکے دیکھو خضر کی گمراہیاں
ہے صدا لب پر یہی توتل کا دو پانی مجھے

مفتی و قاضی نہ آجائیں کہیں گرداب میں
ہر طرف مے کی نظر آتی ہے طغیانی مجھے

برہمن کرتا ہے فرمائش کہ گنگا جل پلاؤ
کالی توتل میں سے تھوڑا ڈال کر پانی مجھے

خوب پی ہے مست ہیں ہوٹل میں مجنوں اندنوں
اور لیلیٰ بھی ملی فیشن کی دیوانی مجھے

صوفیوں کو بینڈ کی آواز پہ آتا ہے وجد
حال ان کا دیکھ کر ہوتی ہے حیرانی مجھے

ہو گئی مفقود دستار فضیلت کی تلاش
اب نظر آتی ہے فیشن کی فراوانی مجھے

رفتہ رفتہ جائیں گے واعظ بھی اکدن میکدہ
آئی سنیما میں نظر وہ ریش طولانی مجھے

مختصر ہوتا گیا گر روز لیلیٰ کا لباس
آگے دکھلائے گا کیا یہ شوق عریانی مجھے

دوستو سروس کمیشن کا بڑا احسان ہو
یار کے در کی اگر مل جائے دربانی مجھے

چین سے کٹتی ہے یاں حافظ مگر یہ خوف ہے
کیا دکھائے گی مری یہ فتنہ سامانی مجھے

ستمبر ۱۹۳۲ء

(۱۸)

بات کہتا ہوں جو چپک جائے — سننے والے کا دل پھڑک جائے

نالہ کرنا بھی مجھے آتا ہے — جس کی آواز تا فلک جائے

تپ ہجراں بیاں نہیں کرتا — مفت میں کیوں دماغ پک جائے

وہ طوالت نہیں پسند مجھے — سننے والا بھی جس سے تھک جائے

سوز پنہاں دبا کے رکھتا ہوں — کہیں ایسا نہ ہو بھڑک جائے

شاعری سے مری غرض ہے یہ — کہ مری بات آپ تک جائے

عہد پیری میں عاشقانہ رنگ — سننے والے کے دل میں شک جائے

سنگ دل ہے مرے لئے درباں — غیر یوں گھر میں بے دھڑک جائے

شیخ کو مے کدہ میں آنے دو — کہیں ایسا نہ ہو چھڑک جائے

دیکھئے بیٹھئے نہ خم کے قریب — کیا خبر ہے کبھی لڑھک جائے

ساقیا ایک دن پلا اتنی — زاہد خشک پی کے چھک جائے

میرے گھر میں بھی ہو طلوع قمر — کبھی قسمت اگر چمک جائے

ختم پر عمر آگئی حافظ — پر ہے ساغر کبھی چھلک جائے

فروری ۱۹۴۰ء

(۴۲)

رند بے تاب ہیں گھنگھور گھٹا چھائی ہے
مے کدے گونج رہے ہیں وہ بہار آئی ہے

بزم اغیار میں اس نے مجھے دریافت کیا
بعد مدت کے اسے یاد مری آئی ہے

کٹ ہی جاتی ہیں کسی طرح ہماری راتیں
غم سلامت رہے وہ مونس تنہائی ہے

قتل کرنے کو مرے آتے ہیں وہ تیغ بدست
میں سمجھتا ہوں مرے حق میں مسیحائی ہے

ان کو یہ ضد ہے نہ دیکھیں گے کبھی میری طرف
میں نے بھی در سے نہ اٹھنے کی قسم کھائی ہے

ہے یہ رندوں کے تعاقب میں کوئی راز عمیق
ورنہ اوروں سے بھی واعظ کی شناسائی ہے

پوچھنے آئے ہیں وہ حال مرا اے حافظ
ضعف سے سلب یہاں طاقت گویائی ہے

اگست سنہ ۳۲ء

(۹۳)

شوق تفریح و تماشا ہر طرف پر جوش ہے — ناصح مشفق یہ طوفاں دیکھ کر خاموش ہے

رحمت خالق ہے یکساں رند و زاہد کے لئے — قطرۂ شبنم سے ہر برگ شجر مے نوش ہے

دست شفقت دختر رز نے بڑھایا اس طرح — زہد و تقویٰ شیخ کے دل کا بھی اب روپوش ہے

رند دل میں کہہ رہے ہیں دیکھ کر ابر مطیر — آج بندوں کے لئے رحمت بہت پر جوش ہے

مے کے لانے کے لئے طیار ہیں ایروپلین — اے خوشا قسمت کہ ساقی مے کدہ بر دوش ہے

بیخودی میں گو بہت لغزش ہے پائے رند میں — مے کدہ کی راہ سے واقف ہے اتنا ہوش ہے

کس کو فرصت ہے کسے دنیا و ما فیہا کی فکر — پی رہا ہے کوئی اور پی کر کوئی مدہوش ہے

کر رہے ہیں رند باہم شوق سے سرگوشیاں — تاک میں رہتا ہے واعظ اور سراپا گوش ہے

اکتوبر ۳۲ء

(۴۴)

یہ حالت انتظار یار میں ہر روز ہوتی ہے
کہ خود بیدار رہتا ہوں مگر تقدیر سوتی ہے

یہ سینہ ہو گیا ہے جب سے منزل گاہ حرماں کا
دل محزوں میں اک اک آرزو قسمت کو روتی ہے

سنا ہے آج وہ بہر عیادت آنے والے ہیں
مجھے اب زیست کی تھوڑی بہت امید ہوتی ہے

دل افسردہ میں میرے کہاں سے تازگی آئے
ہمیشہ برف باری حسرت وارماں کی ہوتی ہے

کبھی ہے برق و باراں گاہ سیل دیدۂ گریاں
تصور میں کبھی نومیدی مری کشتی ڈبوتی ہے

پس دیوار ہے بستر بیمار کوئے جاناں میں
ہمیں یہ دیکھنا ہے کب ہماری یاد ہوتی ہے

ہمیشہ قطرۂ شبنم ہے مثل اشک اے حافظ
یہ دنیا اپنے حال زار پر خود زار روتی ہے

دسمبر ۴۷ء

قومی اور اخلاقی نظمیں

مُسلمانوں کی گمراہی اور اس کے نتائج

خدا نے کہا ہے ظلوماً جہولا
یہ انساں کا ہے مختصر فارمولا

فرشتوں نے سجدہ کیا اس کے جد کو
جب آدم تھا صرف ایک خاکی ہیولا

بڑی ذمہ داری تھی اس تربیت کی
مگر دل میں انساں تکبر سے پھولا

نبی اس نے بھیجا کتاب اس نے بھیجی
مگر پھر بھی مسلم رہ راست بھولا

نسیم کرم روح افزا تھی ہر سو
یہ گہوارۂ عیش میں خوب جھولا

بحکم خدا رخ ہوا کا جو بدلا
زمیں پر اٹھا پر خطر اک بگولا

فنا کن اٹھے ہر طرف تیز شعلے
یہ سوکھی ہوئی گھاس کا ایک پولا

تنوں میں رہی جب نہ کچھ جان باقی
کلہاڑی چلی اور آرہ بسولا

یہ حالت ہماری سزائے عمل ہے
بزرگوں کا صادق ہوا ہے مقولا

ہیں اب تنگدستی میں بھی پانوں لنگڑے
ضرورت پہ دست تحمل بھی ہے لولا

جنوری ۱۹۳۳ء

تلقین اتحاد و رواداری

عمل ہو نیک ترا خوف ہو تجھے رب کا
ہر اک کے واسطے یہ ماحصل ہے مذہب کا

بڑا مغالطہ تجھ کو ہوا ہے اے مسلم
نہیں ہے صرف ترا بلکہ ہے خدا سب کا

خدا ہی جانے کہ کیا اس میں راز پنہاں ہے
رکھا ہے اس نے یہ کیوں اختلاف مذہب کا

روش وہ رکھ کہ زمانہ میں نیک نام ہو تو
تجھے عزیز ہوں سب تو حبیب ہو سب کا

مجادلہ کے لئے بالتی ہی احسن
صریح حکم ہے قرآن پاک میں رب کا

یہ روز جنگ و جدل اس دیار فانی میں
جہاں کسی کو بھروسہ نہیں ہے اک شب کا

کبھی تو شیخ و برہمن کو یہ خیال ہوا
کہ ایک خالق و پروردگار ہے سب کا

ہماری خدمت واعظ میں یہ گذارش ہے
کہ اب بھی بند کریں وعظ اپنے مطلب کا

نفاق کا ہے یہ عالم بڑا تعجب ہے
ذرا لحاظ نہیں ان کو اپنے منصب کا

خدا کے واسطے تلقین اتحاد کریں
لڑائے دو کو نہیں ہے یہ کام مذہب کا

جولائی ۳۹ء

بے وفائی احباب

ہو گئی مفقود دنیا میں رہِ صدق و صفا … شاذو نادر ہو گئے ہیں دوستانِ باوفا

دوستوں کی بے وفائی کی شکایت یکطرف … رہتے ہیں بدخواہ دل سے خود عزیز و اقربا

ہو گئی دنیا کی حالت اس طرح ناگفتہ بہ … دوستی کی آڑ میں بھی ہے بہت مکر و دغا

دشمنی ہے صاف جن میں ہیں بہت اچھے وہ لوگ … دوست جب ہو بیوفا ہوتا ہے دشمن سے برا

آدمی ہر وقت رہتا ہے عدو سے ہوشیار … دوست سے اکثر ہوا ہے جب کبھی دھوکا ہوا

دیکھتا ہوں غور سے رنگِ زمانہ جب کبھی … ایک راہب کی مجھے یہ یاد آتی ہے دعا

اپنے دشمن سے حفاظت اپنی ہم کر لیں گے خود … اے خدا ہم کو ہمارے دوستوں سے تو بچا

جون ۳۳ء

اشاعت اسلام بذریعہ ریڈیو

صبح کا وقت یوم جمعہ کا تھا
میں جب اپنے مکان سے نکلا
جا رہا تھا قدم بڑھائے ہوئے
بالکل اپنے خیال میں ڈوبا
ہوا داخل جو شہر کے اندر
رام مندر کے پاس سے گزرا
آئی کانوں میں ناگہاں آواز
کوئی قرآن پاک پڑھتا تھا
میری حیرت بیاں کے باہر ہے
جب سنی دیر سے حرم کی صدا
ایریل پر نظر پڑی جو مری
ہوا معلوم ماجرا کیا تھا
درس قراں یہ قرآت شیریں
ریڈیو اس جگہ سناتا تھا
بت بھی سننے لگے قرآن شریف
بت پرستوں کو بھی یہ درس دیا
ریڈیو کو خدا ترقی دے
کیوں کہا عالموں نے اس کو برا
ہے یہ سچی اشاعت قرآں
بعد قرآت کے ترجمہ بھی سنا
ریڈیو نے وہ کر دکھایا کام
جو کبھی عالموں سے ہو نہ سکا
ہندو مسلم خدا کے بندے ہیں
ہے فضول ان کا باہمی جھگڑا
یونٹی کی اشد ضرورت ہے
ریڈیو ان کو ایک کر دے گا

۷ راپریل ۳۹ء

مسلمانوں کا کفرانِ نعمت اور اس کے نتائج

ہر کمال اوج و لازم ہے دورِ انقلاب
ڈھونڈھ کر ہم کو کیا پیرِ فلک نے انتخاب

ماہئ بے آب گر دیکھے ہمارا اضطراب
پر تو سوزِ دروں سے جل کے ہو جائے کباب

پڑ گئے ہیں اس قدر پائے نظر میں آبلے
ہے حبابوں سے بھرا ہر سمت دامانِ سراب

اے فلک شاہد ہے تو اک دن وہ تھا دریا تھے ہم
آج یہ حالت ہے ہم موجوں پہ ہیں مثلِ حباب

اے مسلماں کیوں تری حالت ہوئی ایسی تباہ
تو نے کچھ سوچا خدا کا کیوں ہوا تجھ پہ عذاب

حق نے بھیجا بہرِ تلقیں رحمۃٌ للعالمیں
اور ہدایت کے لئے قرآں کتابِ لاجواب

تجھ کو بخشا سیم و زر علم و ہنر ملک و حشم
گوہرِ نایاب کی صورت تجھے دی آب و تاب

عیش و عشرت میں مگر بھولا خدا کو ہر گھڑی
امر سے غافل نہ رکھا نہی سے کچھ اجتناب

تاک میں اغیار اور تو دختِ رز سے ہم کنام
رات دن بزمِ طرب شام و سحر شغلِ شراب

خانماں برباد کچھ ایسا ہوا دنیا میں تو
اب رگوں میں خوں ہے باقی اور نہ ہی چہرہ پہ آب

نکبت و ادبار کا دریا ہے ہر سو موج زن
نشۂ غفلت سے لیکن تو ہے پھر بھی مستِ خواب

وہ خرابی کونسی ہے جو نہیں تجھ سے قریب
وہ گنہ ہے کونسا جس کا نہیں ہے ارتکاب

تشنہ کامی اور پشیمانی کی حد بھی ہے کوئی
لب تو ترسیں آب کو اور تن ہو سارا غرقِ آب

بادِ صرصر نے چمن میں ایسی کی کایا پلٹ
اب خس و خاشاک ہے جس جا تھے نسرین و گلاب

نرگسِ شہلا ہوئی بیمار سوسن ہے خموش
داغ بر دل لالہ ہے سنبل بجاں پیچ و تاب

چشم عبرت بیں کشا در حال شاہاں را نگر
تا چساں از گردشِ گردونِ گرداں شد خراب

پردہ داری می کند در قصرِ قیصر عنکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

کیوں نہیں مسلم تری حالت میں آثارِ فلاح
گو درستی کے لئے جد و جہد ہے بے حساب

ظاہری صورت تو بگڑی تھی مگر اے مہرباں
اس سے بڑھ کر ہو گئی ہے حالتِ ایماں خراب

لازمی ہے گھر میں مسلم کے ذوی القربیٰ سے رنج
ساتھ رشتے کے لگا لپٹا ہے اکثر پیچ و تاب

پائیں نصرانی مشن میں پرورش مسلم یتیم
وقتِ پرسش تو خدا کو ہائے کیا دیگا جواب

سب سے آساں ہے تجھے اک سلسلہ خیرات کا
تیرے حق میں ہو گئے دنیا کے کل پیشے عذاب

بے مشقت روز تجھ کو مفت مل جائے معاش
حلقۂ مسلم میں بس اتنی ہے فکرِ اکتساب

دام دے کر ہم فقیروں سے دعا حاصل کریں
اور پھر امید رکھتے ہیں کہ ہو گی مستجاب

ایک فرقہ کا گدائی پیشہ موروثی ہے
خرقہ پوشی ہو گئی فی نفسہٖ کارِ ثواب

مانگنے کے واسطے بن جاتے ہیں ابن السبیل
انکو اپنے در سے ٹالے ہے بھلا کس کی یہ تاب

اپنی حالت پر نہیں ہوتا انھیں افسوس کچھ
اور اپنا حال کہنے میں نہیں کوئی حجاب

پھرتے ہیں ہر شہر و قصبہ میں بہ ایں حالِ تباہ
پیچھے پیچھے اہلیہ ڈالے ہوئے مونھ پر نقاب

اہل اور نا اہل میں کرتے نہیں ہم امتیاز
حالتِ دیں اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی خراب

ہے عبث امیدِ خیر اس بےتکی خیرات سے
مستحق محروم ہیں نامستحق ہیں کامیاب

مانگتے پھرتے ہیں یوں حقدار و ناحقدار سب
حق تو یہ ہے مستحق ہم تک نہیں ہیں باریاب

اے خدا لاکھوں ترے بندے یہاں آباد ہیں
صرف مسلم پھرتے ہیں دنیا میں کیوں خانہ خراب

کم ہیں ہم تعداد میں اور کم ہیں استعداد میں
ہم بھلا کیا خاک ہوں گے دوسروں کے ہم رکاب

علم کا خواہاں کوئی ہے مال کا جویاں کوئی
ہر طرف ہیں لوگ مستغرق بہ فکر اکتساب

فکر فردا سے ہیں آزاد ہیں ہر حال میں
یہ ہماری فارغ البالی کا ہے لب لباب

یا الٰہی وہ اخوت اور حمیت کیا ہوئی
کیوں مزاجوں میں ہمارے اب نہیں شرم و حجاب

جب رہا دامان علم و مال ہم سے دور دور
ہو گئے اس دور آزادی میں ہم یوں بہرہ یاب

فیض کے چشمے ہیں جاری شوق سے پیتے ہیں ہم
نہر سرکاری سے آب اور آبکاری سے شراب

مناجات

اے خدائے ذوالجلال و خالق ارض و سما
تیری قدرت سے ہیں روشن آفتاب و ماہتاب

رحم کر ہم پر کہ حالت ہے بہت برباد اب
غم زدہ در پر ترے آئے ہیں با چشم پر آب

یاد کرتا ہے تجھے جب مضطرب ہو کر کوئی
صاف فرماں ہے ترا ہو گی دعا وہ مستجاب

اے رسول پاک تیرا ہو اگر لطف و کرم
کفر و ظلمت پر ابھی ہو جائیں ہم پھر فتح یاب

دردمندوں کا نہیں تیرے سوا فریاد رس
حق نے بخشا رحمۃ للعالمین تجھ کو خطاب

آئے ہیں در پر ترے بہر دعا ہم خستہ حال
ہے غریبوں کے لئے ملجا تری عالی جناب

اک اشارہ تیری رحمت کا اگر ہو جائے پھر
"سبزہ از آتش دماند آب حیواں از سراب"

لب کشائی تو جو فرما دے تو بیڑا پار ہے
ہے یقیناً تو ہمارا شافع روز حساب

جنوری ۲۹ء

باطل پرستی

ہو گیا غرقِ ضلالت واقفِ رازِ الست
حق پرستی چھوڑ دی اور ہو گیا باطل پرست

کشتیٔ ایماں پڑی ہے ورطۂ الحاد میں
ہو گئے راسخ عقائد سست اور ہمت ہے پست

تاج بر سر تھے جو کل محتاج پھرتے ہیں وہ آج
جو لٹاتے تھے خزانے ہو گئے خود تنگدست

نشۂ غفلت کے متوالے ذرا ہوشیار ہو
تیرا پیمانہ ہے خالی اور تو پھر بھی ہے مست

کچھ خبر ہے آئے گا دنیا میں پھر طوفانِ نوح
اپنے مستقبل کا تجھ کو چاہیے کچھ بندوبست

ختم ہوگی کب تری یہ داستانِ حسن و عشق
تیرے آبا بت شکن تو ہو گیا صورت پرست

منتظر عالم ہے کچھ جوشِ عمل تو بھی دکھا
یہ تساہل چھوڑ کیونکہ تو رہے گا فاقہ مست

چاہیے بس قوتِ بازو پہ اپنی اعتماد
آج دنیا میں نہیں ہے کوئی تیرا سرپرست

ہو چکی ہے طے مسافت راہرو ہمت نہ ہار
منزلِ مقصود کو درکار ہے بس ایک جست

مئی ۳۳ء

"پدرم سلطاں بود"

اے مسلماں کبھی غور سے دیکھ اپنا وجود — روز ہے اک نئی آفت ترے سر پر موجود

تیرا کہنا ہے زمانہ ہے بہت نامسعود — یہ گلہ بھی ہے مخالف ہے ترا چرخ کبود

تیرے اوصاف تھے دنیا کے لئے مشعل راہ — خوبیاں آج وہ ساری ہیں یکایک مفقود

مشت خاشاک ہے اس دور میں تیری ہستی — اور غضب یہ ہے کہ تیرے چار طرف ہے بارود

مرنے جینے کے تماشہ کو سمجھتا ہے حیات — تجھ کو معلوم نہیں زیست کا کیا ہے مقصود

تیرے سر میں وہی اک بات بھری ہے اب تک — غزنوی کا ہوا اس جا کبھی غوری کا ورود

فتح و نصرت کے وہ ایام ہیں سب خواب و خیال — اب نہ اس ملک میں آئے گا دوبارہ محمود

تجھ کو ہر چند نظر آتی ہے یہ دنیا تنگ — شکر کی جا ہے نہیں راہ ترقی مسدود

چاہیے فکر کہ بہتر ہو ترا مستقبل — پچھلی باتوں کا اعادہ ہے سراسر بے سود

سچ تو یہ ہے نہیں اسلاف سے نسبت تجھ کو — ان میں تھا جوش عمل تو ہے گرفتار جمود

بن گیا قلب ترا بغض و حسد کا مخزن — ان کا ہر وقت تھا ایثار و کرم لامحدود

خدمت خلق وہ کرتے تھے خدا کی خاطر — نہ انھیں شوق نمائش نہ کبھی فکر نمود

تجھ میں جب ایک صفت بھی نہیں اُن کی باقی — ہے عبث فخر یہ تیرا پدرم سلطاں بود

جولائی ۳۵ء

مسلمانوں کی حوصلہ افزائی

ہر ایک قوم کی قسمت میں ہے اتار چڑھاؤ
ہے مد و جزر ہمارا بصورت ادبار

ہمارے ہاتھوں سے یہ ہند بن گیا گلشن
مگر کھٹکتے ہیں آنکھوں میں آج صورت خار

وہ کون ہے جو حقیقت سے ہو سکے منکر
تمام ملک ہے مسلم کے نام سے بیزار

پڑا ہے وقت کچھ ایسا کہ زیست مشکل ہے
ہمارے ساتھ زمانہ ہے درپے آزار

ذرا سی بات پہ دشمن ہیں اپنے ہمسائے
کہیں جو حق بھی تو دنیا ہے بر سر پیکار

چہار سو ہے مسلمان مورد تشنیع
تمام ملک میں ہے گفتگوئے ناہموار

قضیہ غیر کا - آماج گاہ ہے مسلم
اسی کے ساتھ تعصب کا گرم ہے بازار

مناقشہ ہو تو خنجر کمی نہیں کرتا
مخالفت کے لئے ہر زباں ہے آلہ کار

تنازعہ ہو کسی سے ہے وار مسلم پر
نکالتا ہے اسی پر ہر ایک دل کا بخار

غضب تو یہ ہے کہ ہم متحد نہیں باہم
ہوئے ہیں کینہ و بغض و حسد کے ایسے شکار

نہ اشتراک عمل ہے نہ اتحاد خیال
اس اختلاف نے ہر کام کر دیا دشوار

ہر اک کی آنکھ لگی ہے ادھر تعجب سے
کہ اپنے خواب گراں سے یہ ہونگے کب بیدار

خدا کرے کہ مسلمان اب بھی چونک اٹھیں
سروں پہ ایک مصیبت نہیں ہے بلکہ ہزار

نہیں ہے اپنی کہیں ملک میں ذرا توقیر
اور اس کے ساتھ ہمیں بھی نہیں ہے پاس وقار

نہ ہوگا ختم کبھی سلسلہ مصائب کا
بدل نہ ڈالیں گے جبتک ہم اپنے یہ اطوار

نہیں ہے جوش عمل صرف جوش ایماں ہے
بلا مبالغہ یہ بستیاں ہیں زندہ مزار

ہمارے سامنے کوئی پروگرام نہیں
مطالبات کی خالی مچی ہوئی ہے پکار

برابری کا بڑا حوصلہ ہے ہم کو مگر
نہ ہم میں جوشِ عمل ہے نہ جذبۂ ایثار

جو کچھ کرے کوئی سینہ سے باندھ کر پتھر
تو خود غرض کوئی کہتا ہے اور کوئی غدّار

قدم بڑھائے جو میدان کا رہیں کوئی
ہمیشہ رہتے ہیں ہم عیب جوئی کو تیار

ہمیشہ ہوتے ہیں ہم خود بھی مضحکہ میں شریک
جو لیڈروں کی ہمارے ہنسی کریں اغیار

ملے گا کون ہمیں جس میں ایک عیب نہ ہو
جو گالیاں بھی ہماری سنا کرے ہر بار

برادرانِ وطن کو بھی اک نظر دیکھو
نہ اختلاف ہے کوئی نہ باہمی تکرار

جو لوگ ان میں سے کرتے ہیں قوم کی خدمت
مہاتما کوئی ہوتا ہے اور کوئی اوتار

حریف خوب ہیں واقف ہماری حالت سے
ذرا سی بات ہماری ادھر ہے اک طومار

بغیر نظم کے کچھ بھی کریں اکابرِ قوم
ہماری جد و جہد ساری جائے گی بیکار

خلوص دل سے جو سب مل کے ایک ہو جائیں
یقیں ہے پھر صفِ مسلم ہو آہنی دیوار

ہو دھاک پھر وہی مسلم کے نام کی ہر سو
جو دل سے ٹھان لیں تنظیم کی صغار و کبار

پھر اقتدار ہمارا وہی ہو عالم میں
رہیں نہ لوگوں کی نظروں میں اس طرح ہم خوار

یہ اتفاق جو ہو جائیں عزم میں سرگرم
رہیں نہ اپنے ارادوں میں عاجز و لاچار

خدا کے لطف و کرم سے امید واثق ہے
کہ پھر دکھائے گا وہ اپنے فضل کے آثار

ہماری سیر کو دنیا بنے گی پھر جنّت
چمن چمن نظر آئیں گے دشت اور کہسار

ہوا چلے گی وہی دل فریب گلشن میں
خدا کے فضل سے بدلیں گے پیرہن اشجار

بنیں گے دشت و بیاباں ہماری جولانگاہ
یہ سنگلاخ زمیں ہوگی ایک دن گلزار

عجیب لطف سے ہم پھر کریں گے گل چینی
خزاں کے بعد پھر آئیگی جب چمن میں بہار

ضرور آئیں گے دنیا میں پھر بھی دن اچھے — کہ چال بدلے گا اک روز چرخ کج رفتار

خدا کا حکم ہے قرآن میں یہ مسلم کو — کہ رنج و غم میں بھی ہر دم رہے وہ شکر گزار

اصول نیک پہ ثابت قدم رہو ہر دم — اور اپنے نفع و زیاں سے بھی ہر طرح ہشیار

ہر اک کے ساتھ تمہارا سلوک اچھا ہو — کسی کے ساتھ خصومت نہ ہو تمہیں زنہار

ہو قول فعل تمہارا درست ہر گو نہ — ہر اک کے ساتھ رہو خوش سلوک و خوش گفتار

تمہارے سامنے ہر ایک سر جھکائے گا — جو ہر طرح رہو تم راست باز و خوش کردار

ہیں کامیاب وہی لوگ دین و دنیا میں — جو دین دار رہوں اور ہر طرح دیانت دار

مئی ۳۲ء

درجہ اوسط کے لوگوں کی حالت

عیش و راحت کے لئے دنیا میں آئے ہیں امیر — ہے لقب مرزا کسی کا کوئی کہلاتا ہے میر

بے مشقت انکو قسمت سے ملیں سب نعمتیں — ان کی پوشش کے لئے بنتا ہے اطلس اور حریر

ہر جگہ اللہ والوں کا بھی رہتا ہے گروہ — پرورش پاتے ہیں اوروں کی کمائی سے فقیر

مستحق خیرات کا ہے انہیں جو معذور ہے — تندرستوں کا یہاں رہتا ہے اک جسم غفیر

چاہیئے ان کے لئے ہر راہ پر اک خانقاہ — اور ہر کوچہ میں پینے کے لئے اک جوئے شیر

قیدیوں کا بھی تقاضا ہے کہ کھانا ہو نفیس — کوئی حلوہ مانگتا ہے اور کوئی بسکٹ پنیر

بھوک سے مر جائیں گے کر دینگے ہم ترک غذا — افسران جیل کو اکثر ڈراتے ہیں اسیر

ایسی آزادی سے ہے فرمان وائی قید میں — ان کی ہمت کے ہیں ہر سو کارنامے بے نظیر

ایک فرقہ اور ہے جس کی تواضع فرض ہے — مولوی جن کا لقب ہے یا جو ہیں لوگوں کے پیر

ہاتھ میں رہتی ہے ان کے باب جنت کی کلید — ہر طرح ہیں علم و عقل و فضل سے روشن ضمیر

شہر میں ہوتی ہے دعوت پر تکلف صبح و شام — شیر و بالائی ہے اور دیہات میں کھاتے ہیں کھیر

عالموں کو شوق رہتا ہے کہ ہو آپس میں جنگ — عقل و دانش کا سر و نمیں انکے اٹھتا ہے خمیر

درجہ اوسط کے لوگوں کی ہے حالت دردناک — جو مصیبت آئے اس میں ان کا حصہ ہے کثیر

رحم کے قابل ہے اس دنیا میں اُن کی زندگی — قبر میں بھی ہیں انھیں کے واسطے منکر نکیر

گرچہ کرتے ہیں بڑی محنت سے یہ کسب معاش — کرتے ہیں خیرات اور پھر بھی ہیں نظروں میں حقیر

رونق عالم ہے حافظ ان غریبوں کے سبب — وقت پر لیکن نہیں ہے کوئی ان کا دستگیر

مئی ۱۹۳۶ء

تلقین عمل

یہ وقت امتحاں ہے اے مسلماں اب نہ سستی کر
بساط عذر رکھ دے اکطرف کچھ فکر اپنی کر

معطل کس لئے بیٹھا ہے پیوند زمیں بن کر
خدا کے واسطے اٹھ ہاتھ منہ دھو اور جلدی کر

ترا مذہب ترقی میں نہیں ہوتا کبھی حائل
وہ ہر دم حکم دیتا ہے کہ اصلاح و درستی کر

یہ عذر زہد و تقوی ایک حیلہ ہے تساہل کا
جو اچھا کام دنیا کر رہی ہے اسکو تو بھی کر

گرفتار قدامت تو رہے گا اس طرح کبتک
کھلے ہیں ہر طرف میدان تو بھی پیشقدمی کر

ترقی کرتے کرتے بن گیا انسان بھی طائر
نظر کر اپنے گرد و پیش اور تو بھی ترقی کر

زمانہ نے تجھے رکھا ہے آثار قدیمہ میں
چلے تو ساتھ دنیا کے کوئی تدبیر ایسی کر

چلا ہے کارواں اور تو رہا جاتا ہے یوں پیچھے
رہا بار زمیں بن کر تو پھر کیا فائدہ جی کر

مارچ سنہ ۳۴ء

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

مسلمانو دکھاؤ پھر اولوالعزمی کے وہ جوہر
اٹھو ہمت کرو آگے بڑھو نام خدا لے کر

اگر ہو عزم دل میں سامنے ہے پھر در خیبر
وہی ہے پھر بہار اندلس اور وادی بربر

تمہارے علم و فن کے کارنامے اب بھی زندہ ہیں
منور ہے تمہارے ذکر سے تاریخ کا دفتر

زمانہ کی تفنگ اور تیر سے تم پر چڑھائی ہے
سکون قلب سے بیٹھے ہوئے پڑھتے ہو تم منتر

گئے زیر سمندر جستجو تھی جن کو گوہر کی
ادھر ڈوبے ہوئے سنتے رہے تم نغمۂ گوہر[1]

کرو حاصل تسلط اب دلوں پہ اپنی نیکی سے
فتوحات زمیں سے شان ہے جسکی کہیں بڑھ کر

حکومت کا کوئی ارماں نہیں ہو دل میں اب باقی
نہ خواہش کروفر کی ہے نہ ہم کو چاہیے لشکر

روش ایسی رکھو اپنی نہ ہو جس میں دل آزاری
ملو جس سے وہ ہو جائے تمہارا بندۂ بے زر

کرو کوشش کہ دنیا میں تمہاری قدر و قیمت ہو
نہ ہو عزت تو ایسی زندگی سے موت ہے بہتر

یہ دنیا اک تماشہ گاہ ہے الفت محبت کی
خدا کے واسطے ہرگز نہ کھونا اپنا یہ جوہر

اپریل سنہ ۳۴ء

۱؎ گوہر جان آف کلکتہ۔

ہمدردی

بزرگ جن کے ہیں تقوے رہیں آج تک مشہور
وہ آج رہتے ہیں افسوس رات دن مخمور

شراب خانہ کا ٹھیکہ لیا ہے قاضی نے
ہر اک کا شیشۂ تقویٰ ہوا ہے چکنا چور

ہوا ہے شیخ و برہمن کو شوق مے نوشی
کلب میں شام کو وہسکی کا عام ہے دستور

امیر کچھ بھی کرے سب مباح ہے اس کو
غریب کچھ نہ کرے تو بھی اس کے سر ہے قصور

نہیں ہے ہرج برہمن اگر شراب پیئے
غریب لوگ ہوں بنئے کے ظلم سے مجبور

امیر جرم کرے اور جھوٹ تک بولے
بایں صفات ذرا کم نہیں ہے اس کا غرور

غریب نیک ہوا بھی تو اس کی قدر نہیں
کہ دیکھا جاتا ہے محتاج ہی بہ چشم نفور

ہے مفلسی میں حرام و حلال کی تفریق
جو پاس زر ہو تو تقویٰ ہر اک کا ہے کافور

غریب کا کوئی پرساں نہیں ہے عالم میں
کسی کو غم نہیں فاقے کرے اگر مزدور

ہے تندرست کے حصے میں ملک کی خیرات
یتیم اور اپاہج ہیں فاقہ کش رنجور

خدا کرے نہ کسی کو کسی کا دست نگر
کہ تندرستی ہے دنیا میں بدترین قصور

اصول جس میں نہوں ہے وہ زندگی بیکار
وہ زہد ہیچ ہے جس میں چھپے ہوئے ہوں فتور

وہی ہیں قابل عزت امیر ہوں کہ غریب
جو دردمند کی تکلیف سے ہوں خود رنجور

خدا نے کس لئے پیدا کئے امیر و غریب
بایں طریق یہ دنیا ہوئی ہے کیوں معمور

ضرور راز ہے ان مختلف مناظر میں
خدا کو اس میں کوئی امتحان ہے منظور

ہر اک کو چاہیئے ہمدرد ہو غریب کے ساتھ
کرے بقدر ضرورت مدد بھی اسکی ضرور

جو مستحق ہوں رکھے انکے ساتھ ہمدردی
ضرور ان کی اعانت بھی ہو جو ہو مقدور

جو یہ نہیں ہے تو دنیا ہے اپنی بے معنی
ہے زہد خشک بھی مقبولیت سے کوسوں دور

اگست ۳۷ء

ہندو مسلم تعلقات

ہوئے ہیں شیخ و برہمن کے یہ عجیب اطوار
کہ بات بات پہ اب کھینچ لیتے ہیں تلوار

خفیف بات پہ ہوتی ہے جنگ آپس میں
تعلقات کچھ ایسے ہوئے ہیں ناہموار

ہمیشہ ان کو لڑائی میں لطف ملتا ہے
عجیب حال ہے اس قوم پر خدا کی سنوار

برادرانہ تھا برتاؤ ان کا صدیوں سے
اب ایک ملک میں رہنا بھی ہو گیا دشوار

یہ اس کے واسطے خنجر بدست بر سر راہ
وہ اس کی تاک میں چاقو لئے پس دیوار

ہوئے ہیں قتل اسی طرح بے گناہ بہت
قصور کچھ نہ ہو ہوتا ہے راستہ پر وار

گریجویٹ سے جاہل کا ہے سلوک اچھا
روش میں نیک ہے تعلیم یافتہ سے گنوار

کوئی مرے تو ہے بے حرمتی جنازہ کی
خوشی کے ساتھ گزرتا نہیں ہے اک تہوار

کبھی جو جمع کرو ان کو ایک کرنے کو
ہے بات بات پہ آپس میں انکے ٹگ ٹک فدار[1]

ہمارے ملک کی کیا خاک بہتری ہوگی
رہا جنوں جو اسی طرح ان کے سر پہ سوار

یہ آرزو ہے کہ ہو جائے صلح آپس میں
وہ دن کب آئیگا اس وار سے ملے گا وار

دسمبر ۳۳ء

[1] رسہ کشی

پیشہ گداگری

ناکارہ زیست ہے نہ ہو شرم و حیا اگر
دنیا میں آبرو سے ہوئی قیمت گہر

میدان علم و فن میں ہے ہر قوم گامزن
مسلم کے حال پر بھی ذرا کیجئے نظر

کرتے ہیں تندرست و توانا گداگری
ہو کر ذلیل پھرتے ہیں دن رات دربدر

جوہر دکھائیں صنعت و حرفت کا اور لوگ
ان کے لئے سوال ہے سب سے بڑا ہنر

کوچہ نہیں ہے ایک جہاں ان کا غل نہ ہو
کوئی جگہ نہیں نہ ہو ان کا جہاں گزر

مفلس کی بھی مجال نہیں عذر کر سکے
انکی زباں کرے گی نہ دشنام سے حذر

جا کر فلک پہ کرتے فرشتوں سے بھی سوال
پرواز کے لئے انہیں دیتا خدا جو پر

کہتے ہیں ہوگی قبر میں پیسے کی روشنی
ان کی دعا مصائب دنیا کی ہے سپر

حصے میں ان کے آئی ہے خیرات ملک کی
بھوکے ہیں مستحق کوئی لیتا نہیں خبر

فطرت نے زندگی کو بنایا بہت عزیز
لیکن ہے زندگی سے بھی عزت عزیز تر

نومبر ۳۹ء

صحافت اردو اور ذاتیات

ایڈیٹروں کو نہیں لعن وطعن سے پرہیز
ہیں ان کے آرٹیکل ذاتیات سے لبریز

قلم ہے ہاتھ میں ان کے مثال نشتر تیز
سمند ناز پہ ہر وقت رہتی ہے مہمیز

اگرچہ لکھتے ہیں کاغذ پہ روشنائی سے
مگر قلم دم تحریر ہے بہت خونریز

زباں سے صلح پسندی کا سب کو دعویٰ ہے
مگر ہیں ان کے مضامین اشتعال انگیز

وہ بات کہتے ہیں جس سے ہوں دل کے سو ٹکڑے
انھیں پسند نہیں گفتگوئے صلح آمیز

یہ اتحاد کے حامی ہیں قوم کے مصلح
مصالحت سے ہمیشہ ہے جن کے دل کو گریز

ہے روز خوب مذمت میں خامہ فرسائی
بہت صحافتِ اردو ہوئی ہے مضحکہ خیز

یہ حال دیکھ کے جب ہم ہی ہو گئے بیزار
بہت بجا ہے اگر دل میں ہنستے ہیں انگریز

اگست ۳۶ء

افلاسِ مسلماناں

قرض اور خرچ کا اک لحظہ نہ ہو جس میں ہراس
آج ملتا ہے وہ دل صرف مسلمان کے پاس

زر سے ہوتا ہے امیروں کے سروں میں آماس
ہے غریبوں کے لئے دانۂ گندم الماس

زہر قاتل ہے مسلمان کے گھر میں دولت
زر ہو جب پاس تو ہوتا نہیں ناموس کا پاس

یا الٰہی کوئی گمراہ نہ ہو ان کی طرح
راہ بتلا نہیں سکتے انھیں خضر و الیاس

بھولے بھٹکے جو کہیں آ گئی گھر میں دولت
حیف صد حیف کہ اس کے نہ ہوئے قدر شناس

چند ایسے بھی ہیں دنیا کی نہیں جن کو خبر
سامنے شیشہ ہے اور ہاتھ میں ہے جن کے گلاس

آسماں سے اتر آیا کرے خوانِ نعمت
جتنے بیکار ہیں بیٹھے ہیں لگائے ہوئے آس

ایک دن صفحۂ عالم پہ عمل تھا ان کا
آج خود گھر میں ٹھکانے سے نہیں ہوش و حواس

ایسی غائب ہے مسلمان کے گھر سے راحت
جس کو دیکھو نظر آتا ہے حزیں اور اداس

جس جگہ کرتے تھے اجلاس حکومت اجداد
آج اس در کی میسر نہیں ان کو چپراس

خوئے اسراف پہ واعظ نے نہ کی کچھ تلمیح
ہے وہی ریش کا قصہ تو کبھی ذکر لباس

گھر لٹا دینے کی ہوتی ہے ہمیشہ تلقین
تنگ دستی کی خرابی کا نہیں کچھ احساس

وہ فرومایہ ہے سرمایہ ہے جس کے نزدیک
لوگ اچھے ہیں وہی گھر میں ہے جن کی افلاس

یہ بھی کیا زیست ہے غم جس پہ ہو ہر وقت محیط
اور خوشی کے نہ میسر ہوں کبھی دو انفاس

دوربیں سے بھی اگر دیکھتے ہیں مستقبل
نظر آتا نہیں کچھ ہم کو بجز حسرت و یاس

کوئی سنتا نہیں بتلاؤ اگر راہ فلاح
آج ہر بات ہے انکے لئے بیرون قیاس

ایک دن یاد کریں گے تجھے یہ اے حافظ
آج ہے ان کے لئے پند و نصیحت بکواس

اپریل ۱۹۳۶ء

تلقین رواداری

قدر ہوگی صرف ان کی جنکے ہیں اعمال نیک
روبرو خالق کے ہندو اور مسلماں سب ہیں ایک

اس کی رحمت سے یہاں سب کے لئے ایٹ ہوم ہے
کھا رہا ہے کوئی حلوہ اور کوئی کھاتا ہے کیک

روز رہتا ہے یہاں شیخ و برہمن میں نزاع
یہ لڑے مرتے ہیں باہم اور خدا سب کا ہے ایک

ان کے آپس میں تصادم کا کبھی موقع نہ آئے
گر ذرا اپنی زبانوں پر لگا لیں یہ بریک

بات ان کے درمیاں بڑھنے نہ پائے پھر کبھی
اپنا دستور العمل کر لیں اگر گِو اینڈ ٹیک

چاہیے انساں کو نیکی کرے انساں کیساتھ
کام آئے گا خدا کے سامنے برتاؤ نیک

یہ سودیشی اور بدیشی کے ہیں سب جھگڑے یہیں
جنس اصلی چاہیے فارن ہو وہ یا ہوم میک

جون ۳۳ء

بلند ہمّتی کی تلقین

زندگی کا لطف جب ہے دل میں پیدا ہو امنگ
اور طبیعت میں رہے ہر وقت اک طرفہ ترنگ

جو کوئی چاہے کہ گزرے زندگی عزّت کے ساتھ
سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ بدلے اپنے ڈھنگ

کینہ و بغض و حسد سے دل کرے وہ اپنا پاک
اور طبیعت میں کدورت کا رہے باقی نہ زنگ

گامزن ہو عرصۂ عالم میں خودداری کے ساتھ
کل ارادوں میں رہے ہر وقت پاسِ نام و ننگ

ہیں وساوس سدِّ رہ اوہام ہیں زنجیرِ پا
پہلے ان کے ساتھ کرنا چاہیئے اعلانِ جنگ

ان قیودِ باطنی سے فکر آزادی کرے
ان سلاسل کے مقابل کچھ نہیں قیدِ فرنگ

اے مسلماں تیرا کیا انجام ہوگا دہر میں
تیری حالت ہے شکستہ اور زمانہ کا یہ رنگ

لوگ جو پائے ترقی جا رہے ہیں تیز تیز
پست ہمت ایک تو ہے دست بستہ پائے لنگ

ایسی ہمت ہو کہ سقفِ آسماں ہو جائے پست
حوصلوں کے سامنے دنیا بھی ہو وسعت میں تنگ

ہو ارادوں میں وہ رفعت اور پرواز بلند
ہم کو یہ ایروپلین معلوم ہوں گویا پتنگ

ایسا سینہ ہو کہ ہو جائے خجل نوکِ سناں
جس کا لوہا مان لیں اغیار کے تیر و تفنگ

دل میں ہمت ہو تو پھر اذکارِ دنیا ہیچ ہیں
راست ہے بالکل یہ قول شاعرِ ملکِ فرنگ

گر سبک خاطر ہے بلبل سیخ آہن ہیچ ہے
دل اگر آزاد ہے حائل نہیں دیوارِ سنگ

جنوری ۲۷ء

مسلمانوں کی قدامت پسندی

ترقی کر رہے ہیں سب تجارت و صنعت میں
مسلماں بےخبر سوئے پڑے ہیں خواب غفلت میں

بھلا اقبال دیتا ساتھ کب تک ایسے لوگوں کا
نہیں ہے کوئی شوق ارتقا جن کی طبیعت میں

روش ان کی جدا رہتی ہے رفتار زمانہ سے
قدم ان کے برابر جا رہے ہیں قعر ذلت میں

حکومت کی نہایت شان سے جن کے غلاموں نے
پڑے ہیں آج وہ بیدست و پا افلاس نکبت میں

طبیعت انکی محنت کی طرف مائل نہیں ہوتی
بہت پیچھے ہیں یہ دنیا سے عزت اور دولت میں

معیشت کیلئے انکے مشاغل آج ہیں کیا کیا
نظر آتے نہیں حرفت تجارت اور صنعت میں

خیال انکا ہے ہل چھونے سے ہم ہو جائینگے ہلکے
بڑی ذلت ہے انکے واسطے شغلِ زراعت میں

عجب حالت ہے شان امتیازی انمیں نہیں باقی
نہ محنت میں نہ ہمت میں نہ جرأت میں

زمانہ میں تحیر خیز ایجادیں ہیں ہر جانب
مسلماں آج تک ہیں پا بگل اپنی قدامت میں

پٹاری دیکھئے انگور کی اور ساخت کو اسکی
نہیں ہے کوئی تبدیلی ذرا بھی جسکی صنعت میں

بنایا بکس چوبی رشتہ چوبی کے بنے سے
وہ صناعی کہ جس کو دیکھ کر عالم ہے حیرت میں

نہایت حسن و خوبی سے یہاں انجیر آتا ہے
حمائل اس کو کہئے یا وہ ہے تسبیح صورت میں

بنی تھی آب زمزم کے لئے اک ٹین کی کپی
چلی آتی ہے صدیوں سے وہ اب تک ایک حالت میں

مقدس شے بھی زنگ آلود ہو کر ہم کو ملتی ہے
وہ رحمت بھی ہمارے واسطے ہے زرد رنگت میں

تمہاری جدت و صنعت کہاں ہے اے مسلمانو
فضیلت اور ہنر اپنا دکھاؤ گے قیامت میں

ہوئے ہیں تارک المحنت غریبی جن کا حصہ ہے
تمول جنکو حاصل ہے وہ مستغرق ہیں عشرت میں

فقیری کے سوا دشوار ہیں دنیا کے سب پیشے
خدا معلوم کیوں گھن لگ گیا ہے انکی ہمت میں

کبھی افسوس واعظ نے نہ سمجھایا مسلماں کو
کہ کسبِ نیک کی کوشش بھی داخل ہے عبادت میں

مواعظ میں فقط خیرات کی تلقین ہوتی ہے
ضروری ہے کہو ان سے لگائیں دل یہ محنت میں

نظر آئے ہیں انکے بھی گھر میں شکل خوش حالی
یہ تنہا زندگی کاٹیں گے کب تک قعرِ غربت میں

جہاں جدت نظر آئی کہا واعظ نے بدعت ہے
گزرتی جاتی ہیں صدیاں ہماری ایک حالت میں

دماغ انسان کا اللہ نے ایسا بنایا ہے
کہ بیروں ہے زمین و آسماں کی اپنی وسعت میں

تخیل اور عمل میں ہے مسلمانوں کی یہ حالت
کہ جو کچھ ہم کو کرنا ہے کریں گے جا کے جنت میں

جون ۳۳ء

قرطاس ابیض اور مسلم کا رویّہ

آج مسلم کا کوئی غم خوار اور ہمدم نہیں
اس کے زخموں کا بھی دنیا میں کوئی مرہم نہیں

خستہ حالی میں بھی بے فکری ہماری کم نہیں
کس طرح گزرے گی آگے اس کا کوئی غم نہیں

چشم بینا سے اگر دیکھو کسی اخبار کو
اپنی بدبختی سے خالی ایک بھی کالم نہیں

پھوٹی قسمت کا بہت مشکل ہے دنیا میں سنگھار
بخت برگشتہ جدا ہے گیسوے برہم نہیں

ہند میں پیش نظر ہے سب کے قرطاس سفید
جس کو دیکھو وہ پڑا ہے سوچ میں بس ہم نہیں

حلقۂ مسلم میں ہے بزم سخن کا اہتمام
اور مستقبل کا کوئی مشورہ باہم نہیں

ہے تخیل میں ہماری خوب پرواز بلند
جب قدم رکھا سیاست میں تو کوئی دم نہیں

شاعری کا لطف جب تھا اسپ ادہم ساتھ تھے
خاک روئیں گی وہ آنکھیں جن میں باقی نم نہیں

اپنے دو اشکوں سے ہوتا تھا کبھی طوفان نوح
دل میں اب وہ غم نہیں وہ سینۂ ماتم نہیں

میکدہ کی شان باقی ہے نہ مے نوشی کا لطف
وہ مئے وحدت نہیں ہے اور جام جم نہیں

عاشقی کے ہو گئے سارے وہ ہنگامے تمام
راز دل کس سے کہیں اپنا کوئی محرم نہیں

کس کو فرصت ہے کہ حسن و عشق کے قصے سنے
یاں دل مضطر نہیں واں گیسوے پرخم نہیں

عاشقی میں کیوں رقیبوں کی خلش باقی رہے
ایسی صورت اب نکالو وہ نہیں یا ہم نہیں

دیکھیے قسمت دکھاتی ہے ابھی کیا کیا ہمیں
نشۂ غفلت فزوں ہے رو ترا اپنا کم نہیں

اپریل ۳۳ء

فکر آخرت

وہ آدمی نہیں جسے خوف خدا نہیں
خوف خدا نہیں جسے شرم و حیا نہیں

جس کو خدا کا خوف ہو شرم و حیا بھی ہو
اس آدمی کے واسطے دنیا میں کیا نہیں

سہ روزہ زیست اور ہماری یہ سرکشی
ڈھونڈو تو انفعال کا اس میں پتا نہیں

کٹتی ہے معصیت میں بڑی آب و تاب سے
افسوس ہے کہ رنگ ندامت ذرا نہیں

انسان جس کے دل میں رہے عاقبت کا خوف
اللہ کے وہ لطف و کرم سے جدا نہیں

دنیا تو ہو چکی ہے مسلماں تری تباہ
کچھ آخرت کی فکر بھی رہتی ہے یا نہیں

تیری طرح جہاں میں نہیں کوئی خستہ حال
غفلت کی ہائے پھر بھی کوئی انتہا نہیں

ہر قوم کو ہے فکر ترقی لگی ہوئی
افسوس ہے کہ چشم تری پھر بھی وا نہیں

حافظ مریض کو نہ ہو جب تک پرہیز سے گریز
دنیا میں ایسے درد کی کوئی دوا نہیں

اپریل ۳۹ء

اہل یورپ کی صنعت و حرفت

بند ہو کر ٹین میں یورپ سے آئیں مچھلیاں
روز کھاتے ہیں انھیں انگریز جی چاہے جہاں

گائے کیا پیدا نہیں ہوتی ہی ہندوستان میں
کیا سبب ہے دودھ مکھن تک جو آتا ہے یہاں

اہل یورپ کا ہنر دیکھو کہ ملک ہند سے
گاڑیاں بھر بھر کے لے جاتے ہیں سوکھی ہڈیاں

سوئے یورپ خاک پتھر جا رہا ہے بے حساب
کیمیا یہ ہے کہ وہ فولاد بنتا ہے وہاں

ہوتی ہیں قربانیاں حج پر عرب میں بے شمار
کوئی یہ پوچھے کہ آخر سب وہ جاتی ہیں کہاں

بیشتر ان کو زمیں میں دفن کرتے ہیں عرب
اور سائل بنکر آتے ہیں سوئے ہندوستاں

یہ صفت یورپ میں ہے بیکار کوئی شے نہیں
اون ہو یا پوست ہو یا گوشت ہو یا استخواں

کر چکے محنت سے اپنی بحر و بر زیر نگیں
اب یہ ہمت ہے کہ ہے پرواز سوئے آسماں

آہ مسلم پر ہے طاری ہر جگہ ایسا جمود
سو برس پہلے جہاں تھا آج بھی وہ ہے وہاں

مارچ ۳۴ء

نوائے وقت

زمیں پر آگ کی بارش ہے شعلے ہیں سمندر میں
خدا معلوم کیا لکھا ہے انساں کے مقدر میں

زمیں کرتی ہے گردش اندنوں قطب سیاسی پر
تعجب ہے کہ اب تبدیلیاں ہیں اسکی محور میں

اجل سے کشتیِ عمرِ رواں بچکر کدھر جائے
بچھائی ہیں سرنگیں ہر طرف مہلک سمندر میں

ہوائے زہر کی صورت میں بالآخر ہوئی ظاہر
بلا کی سمّیت پوشیدہ تھی یورپ کے کلچر میں

ہمارے گرد سامان فنا تیار ہے ہر دم
اشارہ چاہئے اور وہ نہاں ہے ایک اخگر میں

کرشمے ہیں یہ سب سائنس کے اور ہم ہیں بے بہرہ
اثر جادو کا باقی ہے نہ اب طاقت ہے منتر میں

یہ حالت دیکھکر ہوتی ہے دل میں سخت بے چینی
تڑپ اٹھتی ہے بجلی کیطرح اس قلب مضطر میں

مذمت حضرتِ واعظ نے کی سائنس کی لیکن
نہایت شان سے خود بیٹھ کر پھرتے ہیں موٹر میں

اُدھر دشمن کی توپیں اور خالی عزم اس جانب
زمین و آسماں کا فرق ہے بم اور خنجر میں

زمانہ جیسے بدلے تم بھی اس کے ساتھ ہیں بدلو
نہ بدلو گے تو مٹ جاؤ گے اس دنیا کے چکّر میں

دسمبر ۳۹ء

مسلمان اور قومی خدمت

یہاں آتا ہے ہر انسان امر خاص کرنے کو
نہ سمجھو اک تماشہ اپنے جینے اور مرنے کو

مسلماں خانہ جنگی کے لیئے تیار ہیں ہر دم
مگر راضی نہیں ہے کوئی قومی کام کرنے کو

چڑھا کر بادۂ غفلت رہے ہم پھر بھی متوالے
خمار نشہ دولت ہوا جس دم آترنے کو

نہیں لگتی ہے کوئی دیر انساں کے بگڑنے میں
زمانہ چاہیئے بگڑی ہوئی حالت سدھرنے کو

نہ ہو مایوس اپنی خستہ حالی سے مسلمانو
بکھرتے ہیں ہمیشہ گیسوئے جاناں سنورنے کو

کرو تم عزم و استقلال سے اصلاح کی کوشش
ضرورت ہے بڑی محنت کی گر کر پھر ابھرنے کو

حمیت اور غیرت جوہر انساں ہے ای حافظ
کوئی مرتا ہے جینے کو کوئی جیتا ہے مرنے کو

فروری ۳۲ء

مسلمانوں کی موجودہ حالت

ممکن نہیں ہے شیخ دوبارہ شباب ہو
گو لاکھ ریشِ پاک میں رنگِ خضاب ہو

اس زال سے ہر ایک کو خود اجتناب ہو
دنیا جو اک منٹ کے لئے بے نقاب ہو

دنیا میں ہے سفینۂ ہستی کی یہ مثال
دریا میں سطحِ آب پہ جیسے حباب ہو

بلبل غریب مر گئی گل کے فراق میں
روتے ہیں ہم مزار پہ برگِ گلاب ہو

جب پارہ پارہ ہو گئے جام و سبو تمام
بیکار ہے کہ بیٹھ کے ذکرِ شراب ہو

صہبائے نو بنائیں ہم اپنی علیحدہ
ساقی بھی دیکھ کر جسے دل میں کباب ہو

لاکھوں ہی نعمتیں ہیں یہاں سب کے واسطے
اس کی عنایتوں کا کہاں تک حساب ہو

بے جا شکایتیں ہیں فلک اور نصیب سے
ہاتھوں سے اپنے کوئی اگر خود خراب ہو

دفتر ہمارے بغض و حسد کا طویل ہے
گر مختصر بیاں ہو تو وہ اک کتاب ہو

افسوس ارتکاب بھی ہے ہر گناہ کا
اور پھر یہ آرزو ہے دعا مستجاب ہو

پابند امر ہیں نہ ہے پرہیز نہی سے
کرتے ہیں کام وہ کہ خدا کا عتاب ہو

بے قدر اپنے گھر میں نہ باہر کوئی وقار
ہم سا نہ دہر میں کوئی خانہ خراب ہو

وہ زندگی عبث ہے نہ ہو جس میں کوئی فکر
جس کو نہ اپنے حال پہ شرم و حجاب ہو

دل وہ ہے درد دیکھ کے ہو جائے دردمند
ہو مضطرب کوئی تو اسے اضطراب ہو

جنوری ۳۴ء

مسلم فقرائے ہند

کام کرنے میں زباں سے نہ کہا بسم اللہ ۔۔۔ مانگنے بھیک جو نکلے تو ہے اللہ اللہ

شاہ صاحب کی زباں میں ہو بلا کی قوت ۔۔۔ تندرستی بھی بہت اچھی ہے ماشاءاللہ

ہے گدائی میں قدم نیز مشقت سے گریز ۔۔۔ کبھی ہوتی نہیں محنت کی طرف ان کی نگاہ

بھیک کے واسطے ہر وقت ہے داماں وسیع ۔۔۔ اور محنت کے لئے ہاتھ ہیں ان کے کوتاہ

بے نمازی کا ہے مسجد میں نمازی سے سوال ۔۔۔ لوٹ لیں جو کوئی آجائے قریب درگاہ

ریل گاڑی میں مسافر کو نہیں انسے اماں ۔۔۔ روز بستی میں لگاتے ہیں صدا بر سر راہ

کونسا جرم ہے جسمیں نہ ہوا ان کا اقدام ۔۔۔ کونسا نشہ جو عالم میں ہے جس سے اکراہ

ان کا دعویٰ ہے کہ ہے رد بلا ان کا قدم ۔۔۔ یہی کیا کم ہے کہ مل جائے ہمیں ان سے پناہ

دے دیا جس نے کچھ ان کو تو دعائیں پائیں ۔۔۔ جو کوئی عذر کرے ہوتے ہیں اسکے بدخواہ

دین کی کوئی فضیلت ہے نہ دنیا کا ہنر ۔۔۔ نہ ذرا شرم و حیا اور نہ کسی کی پرواہ

یہ سمجھتے ہیں خطا محنت و مزدوری کو ۔۔۔ ایسے لوگوں سے بھلا کیسے ہو دنیا کا نباہ

لوگ محنت سے کمائیں وہ انھیں بھی پالیں ۔۔۔ کسب روزی بہ مشقت ہے انھیں سخت گناہ

آخرت کا نہ کوئی خوف نہ فکر پرسش ۔۔۔ کوئی دنیا میں نہیں ان سے زیادہ گمراہ

ان کی قسمت ہے گنے جاتے ہیں اللہ والے ۔۔۔ اتنا رندوں کا نہیں نامۂ اعمال سیاہ

ان سے اخلاق کی پستی کا پتا ملتا تھا ۔۔۔ یہی اسباب ہوئے جن سے مسلماں ہیں تباہ

جون ۳۹ء

تلقین رواداری

ہے امیدوں سے جوانی میں غذائے زندگی
یاد بن جاتی ہے پیری میں عصائے زندگی

ایک کے حصہ میں ہے نشو ونمائے زندگی
دوسرے کو رہتی ہے فکر بقائے زندگی

ایک لمحہ بھی نہیں جو زیست میں بے کار ہو
وقت کی قیمت سے ہوتی ہے بہائے زندگی

ہے رواداری سے اس دنیا میں سارا لطف زیست
ہے حقیقت میں تعصب اک وبائے زندگی

چاہیے پیش نظر ہر امر میں آرام خلق
ہائے لوگوں نے نہ سمجھا مدعائے زندگی

زیست میں کیا لطف ہو جب سانس تک دشوار ہو
اور بدن پر تنگ ہو جائے قبائے زندگی

خود غلط ہو دوسرے کو جو کہے حرفِ غلط
بے سبب انسان انساں کی مٹائے زندگی

چند روزہ زیست میں یہ جنگ شیخ و برہمن
جانتے ہیں کیا ہے اک دن انتہائے زندگی

خاک و خاکستر نظر آئے گا حافظ یہ وجود
چھین لی جائیگی جس دن یہ ردائے زندگی

جولائی ۳۳ء

خطاب بہ مسلمانانِ ہند

مسلم ہے کہاں آج تری ہمتِ عالی
تو نے کوئی صورت نہ ترقی کی نکالی

احساس ہے پستی کا نہ اصلاح کی کوشش
انجام سے غافل یہ تری تنگ خیالی

ابنائے وطن پر بھی ذرا ایک نظر کر
ہر سو ہے ترقی کہیں علمی کہیں مالی

افسوس کہ آرام طلب تو ہی ہے ورنہ
دنیا میں کوئی قوم نہیں فکر سے خالی

ہر ایک نظر آتا ہے آسودہ و ممتاز
اس بزمِ جہاں میں ہے تری شان نرالی

مسکن ترا مجروح ہے اور تیرہ و تاریک
ہر کوچہ و بازار میں روشن ہے دوالی

تھا دل میں ترے جوشِ عمل ہاتھ توانا
دنیا نہ تھی ہر گز تری اس طرح خیالی

امدادِ مصیبت زدگاں کام تھا تیرا
ہر وقت غریبوں کی مدد کر کے دعا لی

قصے تری شوکت کے تو دہرائے گا کب تک
حیرت ہے کہ اب شبیر بھی کہتے ہیں جگالی

ستمبر ۳۵ء

مسلمان طلبا اور تعلیمی جد و جہد

ہمارے لڑکوں کو کتنا بھی کوئی سمجھائے
ہزار زور لگائے کہ راہ پر لائے

برادران وطن کی مثال دے دے کر
ہزار پند و نصیحت سے ان کو شرمائے

انھیں پسند نہیں یہ طریقۂ تعلیم
کہ جو اٹھائے مشقت وہی سند پائے

تلاش ہوتی ہے آسانیاں ملیں گی کہاں
جو مدرسے میں کوئی جا کے نام لکھوائے

کہیں یہ عذر ہے پنجاب میں پڑھیں گے ہم
کسی کے جی میں ہے بنگال کی طرف جائے

کتاب سال میں اک دن نہ کھول کر دیکھی
قریب آگیا جب امتحاں تو گھبرائے

یہ آرزو ہے مہیا ہو ایسی آسانی
کوئی پڑھے نہ لکھے اور پاس ہو جائے

حصول علم کی ایسی کوئی بنا دے مشین
اِک انّی ڈال دیں اور اک سند نکل آئے

جون ۳۳ء

مسلم طلبا کی تعلیمی دشواریاں

علم و ہنر کی فکر میں دنیا غریق ہے
سرگرم اس تلاش میں ہر اک فریق ہے

تقدیر سازگار ہے تدبیر جب ہو راست
دنیا ہے مہربان فلک بھی شفیق ہے

مسلم کی اسٹڈی میں ہیں دشواریاں بہت
راہیں کھلی ہوئی ہیں مگر ان کو ضیق ہے

لکچر میں دل اچاٹ خیالات منتشر
اک دردِ سر کلاس میں ہر دم رفیق ہے

جغرافیہ مہیب ہے مشکل سیاسیات
سائنس سنگ لاخ ریاضی دقیق ہے

تاریخ و فلسفہ سے بھی بیزار ہی رہے
پانی وہاں بھی قد سے زیادہ عمیق ہے

آرام چھوڑ کر کوئی تکلیف کیوں اٹھائے
ان سختیوں کو دیکھ کے ہمت رقیق ہے

پھرتے ہیں روز شہر میں آزاد و خوش خرام
دل سے انھیں پسند یہی اک طریق ہے

سگرٹ ہو منہ میں اور چمکدار سر پہ بال
ہر دم لبوں پہ پان سے رنگ عقیق ہے

ان سے کبھی سوال نہ پوچھے کلاس میں
اسطرح جو پڑھائے نہایت خلیق ہے

فروری سنہ ۴۷ء

مُسلم نوجوانوں سے خطاب

روایات قدیمہ کو جو زیر پا کیا تم نے
تعجب ہے سمجھتے ہو بہت اچھا کیا تم نے

کہاں اے نوجوانو تم۔ کہاں یہ ننگ آزادی
بزرگوں کے مقدس نام کو رسوا کیا تم نے

گئے بے تاب ہو کر سر کے بل تقلید یورپ میں
بڑا دھوکا ہوا تم کو بہت بے جا کیا تم نے

کوئی خوبی طریق اہل یورپ کی نہ کی حاصل
لباس اپنا بدل ڈالا فقط اتنا کیا تم نے

تمدن، حسن، خدمت، ہمتِ عالی و بے باکی
کوئی ایسا نہ جوہر ایک بھی پیدا کیا تم نے

نہ خودداری نہ وہ پابندی اوقات یورپ کی
یہ کیوں تہذیب مغرب کا غلط دعویٰ کیا تم نے

نہیں ہے تم کو فرصت ملک و ملت کی خدمت کی
تماشوں میں مگر امروز کو فردا کیا تم نے

ادب مانع نہیں ہوتا حیا حائل نہیں ہوتی
یہ آزادی بلا کی دل میں جو آیا کیا تم نے

تمہارے چار سو لہو و لعب کے کارنامے ہیں
مگر جلسوں میں علم و فن کے جا کر کیا کیا تم نے

کوئی خدمت نہ کی ماں باپ کی جب تک وہ زندہ تھے
دعائے مغفرت سے بھی نہ حق پورا کیا تم نے

جون ۳۹ء

ہندوستان کی فرقہ وارانہ جنگ

غلامی جب رہی طاری ہلایا تک نہ لب ہم نے
ہوئے آزاد تو برپا کیا شور و شغب ہم نے

غلامی کا ہوا احساس آزادی کے ملنے سے
ملا جتنا ہمیں اتنا کیا آگے طلب ہم نے

ہوا صورِ قیامت سے طلوعِ صبحِ آزادی
دعا کی تھی اسی دن کیلئے کیا روز و شب ہم نے

تمنا چھوڑ دی خوئے تمنا چھوڑ دی اپنی
عروس ملک کے اک اک اٹھائے ناز سب ہم نے

ہوئی امید اب آرام سے ایام گذریں گے
مگر اس ملک میں دیکھا تماشا اک عجب ہم نے

یہاں اٹھنے لگا بے وجہ طوفاں بدتمیزی کا
گزاری ہے ہزاروں بار آنکھوں میں شب ہم نے

لڑائی فرقہ وارانہ نظر آتی ہے ہر جانب
اٹھایا تھا اسی دن کیلئے رنج و تعب ہم نے

سبب ذاتی مقاصد ہائے کینہ دشمنی کے پردہ میں
نہ رکھی یاد کوئی میں حد ادب ہم نے

رواداری ہوئی غائب ملنساری ہوئی عنقا
کیا ہے اپنے ہمسایوں پہ ہر گونہ غضب ہم نے

ذرا سی بات پر ہوتا ہے برپا سخت ہنگامہ
لڑائی مول لی ہے جا کے اکثر بے سبب ہم نے

برہمن ہیں وہ جوہر اب نہیں مہمان نوازی کا
ڈبویا آکے اس گنگا میں ناموس عرب ہم نے

جنوری سنہ ۴۸ء

زمانہ کی موجودہ حالت

برق تپاں ہے سر پہ آتش فشاں زمیں ہے
انساں کو اب جہاں میں راحت کہیں نہیں ہے

باغ جہاں ہوا ہے ایسا حریف دوزخ
ہر گل میں ہیں شرارے ہر غنچہ آتشیں ہے

انسان کا ہوا ہے انساں عدوئے جانی
ہر گام پر زمیں میں پوشیدہ میگزیں ہے

اے ظالمو یہ کب تک جور و ستم چلے گا
تم کو مٹانے والی اک دن یہی زمیں ہے

دنیا ستا رہی ہے کیوں اپنے میہماں کو
وقت فنا اب اسکا شاید بہت قریں ہے

آتشکدہ بنایا گہوارۂ زمیں کو
چشم فلک نہایت پر قہر و خشمگیں ہے

حافظ یہ ہاتھ عاری رہ جائے گا عمل سے
اس کشمکش میں جب تک محتاج آستیں ہے

اکتوبر ۳۹ء

مسلم واعظین اور تنظیم خیرات

جنابِ شیخ کی خدمت میں اظہارِ حقیقت ہے — معافی ہو تو کہتا ہوں مجھے تھوڑی شکایت ہے

نہیں احساس کچھ واعظ کو اپنی ذمہ داری کا — بیاں کرتے ہیں بس باتیں وہی جو انکی عادت ہے

زکوٰۃ و حج کے احکامِ شریعت انسے کہتے ہیں — جنھیں ملتا نہیں کھانے کو اور فاقہ کی نوبت ہے

نمازی کیلئے مخصوص ہے کیوں وعظ مسجد میں — عبادت کو جو آئیں ان کو تلقینِ عبادت ہے

درِ مے خانہ پر جا کر نہ سمجھایا شرابی کو — نہیں جاتے وہاں واعظ جہاں انکی ضرورت ہے

کبھی اخلاق کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے — دیانت اور صداقت ہر طرح روحِ عبادت ہے

مساجد میں نئی پاپوش گم ہوتی ہیں کیوں اکثر — نمازی کی عبادت میں بھی یہ چوری کی نیت ہے

گدائی بڑھتے بڑھتے ہو گئی اک مستقل پیشہ — کبھی سوچا نہ واعظ نے یہی حکمِ شریعت ہے

جو قابل ہوں کمانے کے انھیں تلقینِ محنت ہو — یقینی ہے انکی خیرات ہے بالکل اکارت ہے

پریشاں پھرتے ہیں واعظ بھی خود پرساں نہیں کوئی — ٹھکانا ہے کوئی انکا نہ عزت ہے نہ وقعت ہے

رہیں پنجاب میں جا کر دکن میں وعظ کہتے ہیں — پڑھاتے کیوں نہیں لڑکے جہاں انکی سکونت ہے

لگاتا ملک میں چکر بہت مرغوب ہے ان کو — سفر میں جو میسر ہو وہی انکی معیشت ہے

ہے دہلی کے یتامیٰ کے لئے مدراس میں چندہ — ادھر مدراس والے جائیں دہلی گر ضرورت ہے

نصاریٰ نے جذامی کیلئے کھولے شفاخانے — یتیموں کی خبرگیری فقط ان کی بدولت ہے

نہیں ہے حلقہ بندی دین کی خدمت کے کاموں میں — حصولِ زر کی خاطر کس قدر لانبی مسافت ہے

یتیموں کی خبر گیری کریں یہ اپنے حلقوں میں
مساکیں کے لئے راحت حقیقی انکی خدمت ہے

مقامی کام ابتر مرکزی تحریک ہے بے جاں
نہ ہے امداد اس کی اور نہ کچھ اس کی اعانت ہے

دکھائیں شیخ کچھ حسن عمل بھی اپنے حلقے میں
اگر خیرات کی تنظیم ہو جائے غنیمت ہے

عمل اچھا روش اچھی اخوت اور خوش خوئی
بقا ہے منحصر ان پر انھیں میں اپنی عزت ہے

عبادت اور نیکی سے کرو امید جنت کی
مگر دنیا کو جو شے فتح کرتی ہے وہ ہمت ہے

اگست ۳۳ء

شاہان مغل کا خواب غفلت

تجارت کی غرض سے لوگ جب یورپ سے آتے تھے
نئے انداز کی بندوق و رائفل ساتھ لاتے تھے

ضرورت کچھ نہ تھی پروانگی کی دوست دشمن کو
یہ آزادی ہمارے ملک میں سب آتے جاتے تھے

پریشاں حال آئے پرتگالی اور فرانسیسی
بڑی عزت سے شاہان مغل انکو بلاتے تھے

سفارت لیکے آئے ہند میں برطانیہ والے
مگر شب میں یہاں خواب حکومت سبکو آتے تھے

ہوئیں مدراس و کلکتہ میں نوآبادیاں قائم
جہاں جاتے تھے اک بستی جدا اپنی بساتے تھے

بہر صورت قدم جا کر جمائے اپنے سورت میں
تجارت کرتے تھے اور اپنے قلعے بھی بناتے تھے

مثال روز روشن تھی حکومت کیلئے کوشش
بڑی ہمت سے اپنا دبدبہ ہر جا بٹھاتے تھے

رقابت جب حریفوں میں ہوئی اس ملک گیری میں
کبھی لڑتے تھے خود یا ہم کو آپس میں لڑاتے تھے

تباہی میں پڑی تھی بادشاہت خانہ جنگی سے
قدم ان کے جہاں جاتے تھے خالی ملک پاتے تھے

نہایت منتشر تھا ملک میں شیرازۂ قومی
یہ خدمت عالموں کی تھی ہمیں باہم لڑاتے تھے

ملا انکو یہاں میدان خالی ملک گیری کا
سمندر اور زمیں پہ اپنے سب کرتب دکھاتے تھے

کچھ ایسی سمت الماس و سیم و زر کی تھی جاری
یہاں کے حکمرانوں کو وہ مست خواب پاتے تھے

تمامی شان و شوکت ختم تھی دربار شاہی پر
جہاں انکے جلال و جاہ کا سب گیت گاتے تھے

چنور سے تخت پر خدام کرتے تھے مگس رانی
اور انکے سامنے نقال ہنستے تھے ہنساتے تھے

ادھر تعریف بیجا اور ادھر انعام بے پایاں
خزانے مال و زر کے خوب یہ انپر لٹاتے تھے

جہازوں سے تفنگ و توپ کا ہوتا تھا نظّارہ
مگر یہ ہر جگہ اپنے لئے جنت بناتے تھے

یہ مغلوں کی ادا رہ جائے گی تاریخ میں باقی
کہ خطرے دیکھتے تھے پھر بھی خطرے میں نہ لاتے تھے

بس اتنی فکر تھی ہم شان سے سوئیں پس مردن
عظیم الشان ہر جا مقبرے اپنے بناتے تھے

اگست ۱۹۳۹ء

مسلمان اور فکر معیشت

پہلے خواہش تھی ہر انسان مسلماں ہو جائے — اب مسلمان سے درخواست ہے انساں ہو جائے

اس کے اخلاق کی حالت کا تماشا جو کرے — دیکھنے والا بھی آئینہ حیراں ہو جائے

ساری دنیا کو ہے ہر وقت معیشت کا خیال — اس کو یہ فکر ہے کل غیب سے ساماں ہو جائے

تھوڑی محنت کا اگر خود کو بنا لے خوگر — کام دشوار سے دشوار بھی آساں ہو جائے

اپنے اطوار کی کر لے یہ اگر خود اصلاح — طرفۃ العین میں ہر درد کا درماں ہو جائے

حکم قرآں کا پابند یہ ہو جائے اگر — اس کا ہر کام میں اللہ نگہباں ہو جائے

دین و دنیا میں کوئی خوف نہ ہو لے حافظ — گر مسلمان حقیقت میں مسلماں ہو جائے

مئی ۳۷ء

عمل صالح

کوئی اتنا پوچھے اس زمانہ کے مسلماں سے — کہ بخشش چاہتے ہو تم فقط اقرار ایماں سے

بڑی سختی سے ہوگی پرسش اعمال محشر میں — نہ ہرگز کام نکلے گا فقط لفظ مسلماں سے

مسلماں وہ ہے جسکا نیک ہو کل ظاہر و باطن — ہمیں شرمندگی ہوتی ہے اپنے ساز و ساماں سے

نہیں کچھ امتیاز نیک و بد کہنے کو مسلم ہیں — امید مغفرت رکھتے ہیں ہم ایمان بے جاں سے

تساہل میں گئی دنیا تغافل میں رہا مذہب — خدا کے سامنے جائیں گے اس حال پریشاں سے

نظر ماحول پر کرتے ہوئے دلمیں ذرا سوچو — کہ کیا برتاؤ ہے باہم مسلماں کا مسلماں سے

خدا کے سامنے کیا قدر ہوگی ایسے انساں کی — ادب ہے باپ کا جسکو نہ الفت ہے جسے ماں سے

مرض ہے روز افزوں کچھ کرو اصلاح کی کوشش — غضب ہے مبتلائے درد ہو اور ضد ہو درماں سے

تمہیں کافی ہے قرآں کی ہدایت اس تلاطم میں — نہ کوئی خوف موجوں کا نہ پھر خطرہ ہے طوفاں سے

یہ حالت ہے ہماری فارغ البالی کی اے حافظ — نہ شکر منفعت ہے اور نہ غم ہوتا ہے نقصاں سے

دسمبر ۳۳ء

مسلمانوں کے دنیوی زوال کے اسباب

درستی ہیں ہماری کونسی دنیا میں دقت ہے
ہماری کیوں ہوئی حالت یوں خود ہم کو حیرت ہے

مہیا ہے ہمارے واسطے ہر ایک آسانی
بلا تفریق سب کے واسطے حکم اخوت ہے

اگر ہو مقدرت۔ خیرات داخل ہے فرائض میں
ربوا ممنوع ہے اور مے خوری کی سخت حرمت ہے

مقرر ہو گیا حق عورتوں کا حکم قرآں سے
اور اس کے ساتھ عقد بیوگاں کی بھی اجازت ہے

نہیں ہے ذات کی اور چھوت کی کوئی بھی دقت
ہے درجہ ایک سب کا اور یکساں سب کی عزت ہے

ہیں ابنائے وطن کی راہ میں سو مشکلیں حائل
جنھیں سب رفع کرنے کیلئے دن رات محنت ہے

تعجب ہے مسلماں پھر بھی کیوں برباد پھرتے ہیں
یہ کل آسانیاں ہوتے ہوئے کیوں ایسی حالت ہے

سبب یہ ہے کہ محنت سے بہت ہم جی چراتے ہیں
ہے افلاس عزت اور مشقت سخت ذلت ہے

ہمیشہ ذکر کرتے ہیں گزشتہ کارناموں کا
رہیں تدبیر سے غافل یہ تفسیر قناعت ہے

زمانہ سے سبق لیتے نہیں ہم کچھ بھی ہو جائے
حوادث بے اثر ہیں ایسی افتاد طبیعت ہے

خلاصہ اپنی حالت کا ہے دو لفظوں میں اے حافظ
نہ کیرکٹر ہے باقی اور نہ کچھ احساس ذلت ہے

اگست سنہ ۳۳ء

"ہوئی دنیا مسخر ایک امی کی محبت سے"

ڈرایا شیخ نے ہر ایک کو روز قیامت سے
گنہگاروں نے پہچانا خدا کو اسکی رحمت سے

برابر کر دیا زہاد کے توبہ نے رندوں کو
عبادت سے کوئی فائز ہوا کوئی ندامت سے

الٰہی کیا خطا ہم تیرہ بختوں سے ہوئی سرزد
کہ ہر فرد ہمارا کم نہیں روز قیامت سے

بصارت ایک چشمہ ہے تفکر اور تخیل کا
یہ کہدو واعظوں سے کام لیں چشم بصیرت سے

بہت آساں ہوا ہے آج کل تکفیر کا فتویٰ
ہوئی دنیا مسخر ایک امی کی محبت سے

تنفر سے اگر پرہیز ہو سب ایک ہو جائیں
کریں اصلاح لوگوں کی محبت اور الفت سے

خدارا فرقہ بندی سے بچائیں یہ مسلماں کو
کہ وہ بیگانہ ہو جاتا ہے اسلامی اخوت سے

تنفر اور تکبر سے کمی ہوتی ہے دانش میں
جلا پڑتی ہے ایماں کی محبت اور شفقت سے

وہی اچھے ہیں حافظ جنکا یاں برتاؤ اچھا ہے
جزا دیگا خدا واقف ہے وہ ہر اک کی نیت سے

فروری ۳۷ء

تلقینِ عمل

بشر کا نام ہوتا ہے جہاں میں کام کرنے سے
بسر کرنا بعزّت زیست کا مشکل ہے مرنے سے

گزرتی ہے ہماری عمر رو کر یادِ ماضی میں
بنے گا اپنا مستقبل نہ خالی آہ بھرنے سے

بڑی خوبی ہے خوئے دردہونا دل میں انساں کے
مگر غالب نہ ہو ایسی کہ رو کے کام کرنے سے

رہے جو منتظر موقع کا وہ محروم رہتا ہے
مواقع زیست کے ہوتے ہیں پیدا فکر کرنے سے

تعجب ہی نہیں ہیں متحد توحید کے بندے
ہوئے ہیں متحد دنیا میں شیرازہ بکھرنے سے

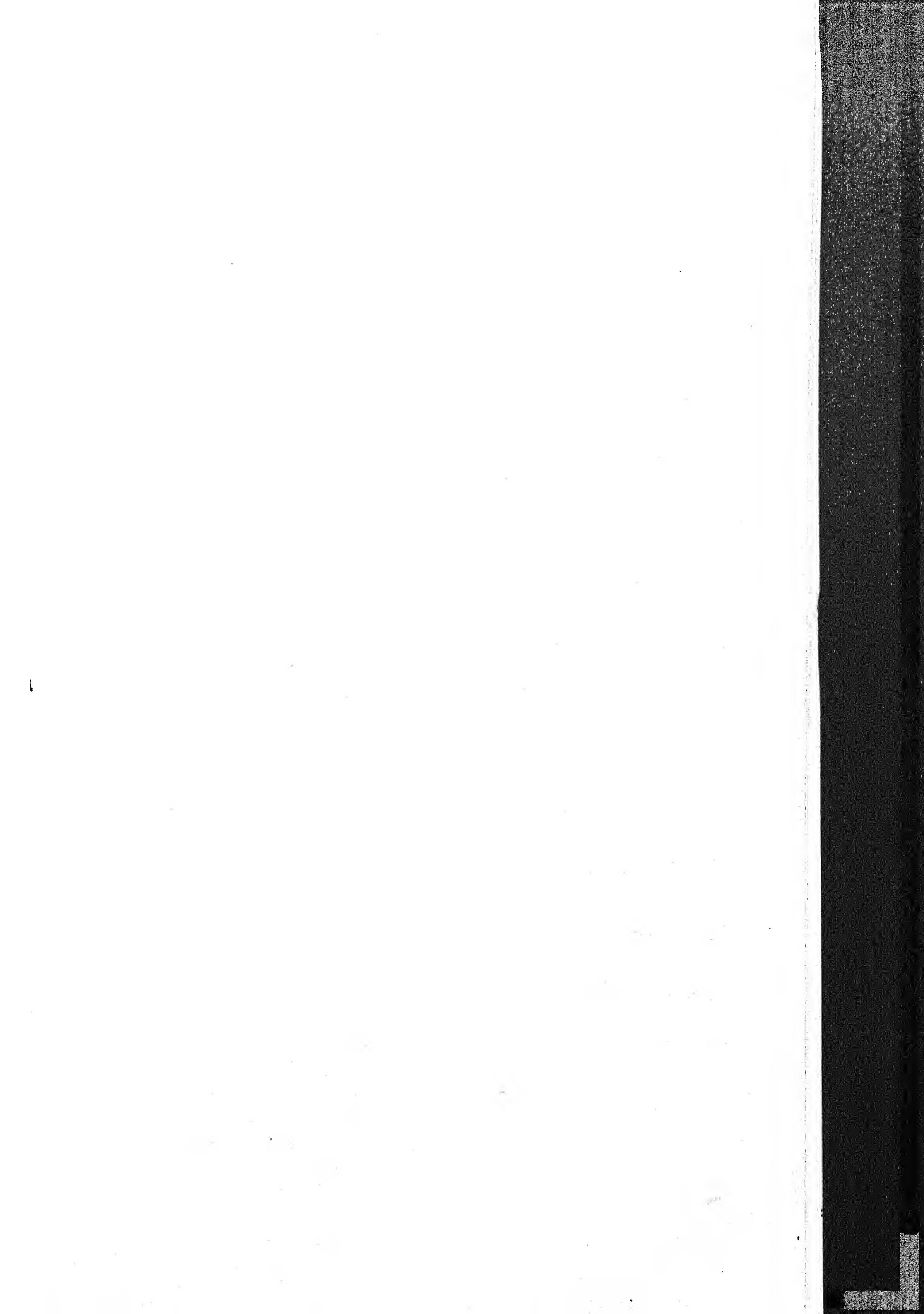
ارادوں کو کرو تم پختہ تر تا کامیابی ہیں
بگڑتے ہیں ہمیشہ کام اس دنیا میں ڈرنے سے

بگڑ کر پھر سدھرنے میں بہت توقیر بڑھتی ہے
چمک جاتی ہے دنیا زلفِ جاناں کی سنورنے سے

ہمیشہ جنگ کے میدان میں ہم نے خوب دیکھا ہے
اسی کی فتح ہوتی ہے نہیں ڈرتا جو مرنے سے

مارچ ۳۳ء

مزاحیات



حقیقت حال

مزہ اک بار مل جائے جسے انگور کے رس کا
غضب ہے پھر نہیں ہوتا کبھی وہ آدمی بس کا

بھرا ہے آج کل سیال مقناطیس بوتل میں
کشش کا خاص اک جوہر ہے شیشہ میں فوکس کا

عجب حالت ہوئی ہے آجکل تہذیب مشرق کی
خدا ہی اب نگہباں ہے ہماری قوم بیکس کا

لونڈر کی ہوا ایسی سمائی سر میں لوگوں کے
کہ فتنہ ہوتا ہے برپا کہیں ہو عطر گر خس کا

ہوئیں دربار قاضی میں بھی داخل میز اور کرسی
نہ مسند پر بچھا ہے اور نہ وہ تکیہ ہے اطلس کا

مسدس خستہ حالی کا جناب شیخ پڑھتے تھے
نہیں ہے آج انکو ہوش دستار مقدس کا

برہمن کی طبیعت سیر یورپ کو تڑپتی ہے
نہیں ہے یاد متھرا کی نہ چرچا ہے بنارس کا

بہت ہیں لیڈروں کی ملک میں پرجوش تقریریں
مگر بڑھتا ہوا ہے ٹھاٹھ اصلی سے بھی بوگس[۱] کا

قلابازی دکھائی لیڈروں نے بزم قومی میں
تماشہ ہے سیاسی رائے میں ہر وقت سرکس کا

نہیں ہے اب ضرورت قیس کو صحرا نوردی کی
کہ لیلیٰ ایکطرف سے کارڈ آتا ہے کرسمس کا

در انصاف ایسا ہو گیا ہے گم عدالت میں
کہ اس کا ڈھونڈھ لینا کارنامہ ہے کولمبس کا

زمانہ کی ہوئی تبدیل حالت ایسی اے حافظ
بیاں اسکا نہیں ہے کام اک مجھ جیسے ناکس کا

مارچ ۳۹ء

۱؎ مصنوعی

پوشیدہ مے نوشی

ہمیشہ جاتے ہو گھر سے چھپ کر پتہ بتاتے نہیں کہیں کا
پکار کر خود کہے گا اک دن یہ نقش زیر قدم زمیں کا

ہر ایک میں خوئے خوردبینی ہے آج سائنس کے بدولت
کرے گا افشائے راز اک دن کرشمہ چشم سراغ بیں کا

ہیں داغ شیشہ پہ انگلیوں کے جو دے رہے ہیں خبر تمہاری
ہے صاف انکار پھر بھی تم کو علاج پھر کیا ہے اس نہیں کا

برائے اثبات جرم کافی ہیں یہ نشانات دست وپا کے
گواہ کی اب نہیں ضرورت وسیع ہے دائرہ یقیں کا

طعام کے بعد روز پیتے ہو جام بھر بھر کے پورٹ وائن
ہمیں رہا یہ گمان برسوں کہ ہے وہ شربت سکنجبیں کا

یہ پارسائی نمائشی ہے عجب مرکب ہے خیر و شر کی
نہیں ہے پرہیز مے سے لیکن خیال ہے جنت بریں کا

حصول تفریح و عیش و عشرت حیات کا اب یہی ہے مقصد
عجیب تہذیب پائی تم نے رکھا نہ جس نے تمہیں کہیں کا

دورِ جدید

نہیں ہے شوق باقی شیخ کو نانِ تنوری کا
مزا بھولا برہمن بھی کچوری اور پوری کا

ہیں ٹیلیفون میں سرگوشیاں لیلیٰ و مجنوں کی
خوشا قسمت جدائی میں نہیں ہے رنج دوری کا

نظر انداز کر دیتا ہے انساں معنوی خوبی
فریب سخت ہوتا ہے بتوں کے حسنِ صوری کا

شفاخانوں میں مدِ الف کا جسم چل گیا جادو
نہیں رہتا ہے قائم فرق آدھی اور پوری کا

تپِ فرقت میں ہر تریاق اک زہرِ ہلاہل ہے
اثر برعکس ہے بیمار پر شربت بزوری کا

کبھی ماحول پر بھی چاہیئے اپنے نظر کرنا
زمانہ اب نہیں ہے ہند میں صدر الصدوری کا

رہائی شیخ کی اب غیر ممکن ہے عدالت سے
گنہگاری کا فتویٰ ہو گیا ارباب جیوری کا

توقع تھی عبث مہر و وفا کی حورِ دنیا سے
نتیجہ شیخ نے پایا ہے اپنی ناصبوری کا

فروری ۳۳ء

رفتار ترقی دینی و دنیوی

حکم ہو قرآن کا فرمان ہو انجیل کا
آج کل سب کے لئے وقت آ گیا تعطیل کا

ہو گئے دنیا سے واقف دین سے ہیں بے خبر
آج کل حاصل یہ ہے تعلیم کی تکمیل کا

گو بہت ہے نوجواں کی دستگاہ علم و فن
ہر طرف عالم میں شہرہ ہے بہت تحصیل کا

ہے یقیں سائنس کے اوزار نکلیں گے فقط
جائزہ لے گر کوئی ایمان کی زنبیل کا

مے کدہ میں نقد پر پڑتی ہے رندوں کی نظر
مسجدوں میں روپیہ غائب ہوا تحویل کا

رند نے ناصح کو احمق کہدیا تو کیا ہوا
وہ بھی صیغہ ہے بظاہر افعل التفضیل کا

تفرقے کرتے ہیں پیدا ہر طرف علمائے سوء
نور ہے جن کے دلوں میں عرش کی قندیل کا

بیشتر اں کا عمل ہو دوراں کے قول سے
درمیاں دونوں کے اکثر فرق ہو اک میل کا

آئے ہیں تبلیغ کو تکفیر سے فرصت نہیں
یہ نمونہ ہے خدا کے حکم کی تعمیل کا

نومبر ۳۶ء

نرسنگ ہوم

مریضِ عشق اگر اسپتال جا پہونچا
شفا کے بدلے مرض میں وہاں اضافہ ہوا

مریض کے لئے دل بستگی ہے ہر جانب
جو آنکھ کھول کے دیکھا تو ہے عجیب فضا

سرہانے جلوہ فگن ایک نرگسِ بیمار
پلائی نازوادا سے کسی نے اس کو دوا

سہارا دے کے بٹھاتا ہے کوئی بستر پر
تو اس کے قلب میں ہوتا ہے اختلاج سوا

مریض کو جو پلائے کوئی محبت سے
دوائے تلخ میں ملتا ہے خوشگوار مزا

غضب ہے چشمِ فسوں ساز آپریشن میں
جگر بھی چاک کرو تو بھی ہو نہ درد ذرا

شمیمِ گیسوئے مشکیں کلوروفارم[۱] ہوئی
نگاہِ ناز نے نشتر کا کام خوب کیا

یہی سبب ہے کہ آتے تھے جو عیادت کو
مریض بننے کی کرتے تھے وہ خدا سے دعا

یہ قول سچ ہے کہ خدمت بناتی ہے مخدوم
مریض بھی ہو وہاں دل سے والہ و شیدا

بفرطِ شوق ہوا یہ بھی خود زخود رفتہ
کیا یہ عہد کہ وہ گھر نہ جائے گا تنہا

غرض علاج کا ہے حسنِ انتظام عجیب
کہ تندرست ہوا اور مرض بھی ساتھ آیا

جولائی ۶۳ء

۱؎ بیہوش کر دینے والی دوا

نئی تہذیب کا عالمگیر اثر

کوئی شاکی ہے کہ اس کا مال و زر جاتا رہا
کوئی نالاں ہے کہ چھپّا کرّ و فر جاتا رہا

ساری دنیا پر نئی تہذیب طاری ہو گئی
پہلے جو پرہیز تھا وہ سر بسر جاتا رہا

حضرتِ واعظ کے بائیں ہاتھ پر ہے رسٹ واچ
سوڈا اور لیمنڈ سے بھی ان کا حذر جاتا رہا

عقد اصل حلّت و حرمت کی مستحکم نہیں
پیشتر تھا جو حذر وہ بیشتر جاتا رہا

روبرو سنیما میں اب مشقِ ستم ہونے لگی
بام سے آتا تھا جو تیرِ نظر جاتا رہا

نالہ و فریاد کی اب عشق میں حاجت نہیں
دردِ دل باقی نہیں دردِ جگر جاتا رہا

بیبیاں خوش ہیں کہ پردہ اٹھ گیا اچھا ہوا
لیکن ان کے چھلنے نکلنے کا وہ ہنر جاتا رہا

بین ابرو اب نہیں کاجل کے ٹیکے کا رواج
چشمِ بد کا حسن و خوبی پر اثر جاتا رہا

ٹھان لی جانے کی جب دل نے تو پھر یہ جا وہ جا
ہم نے بھی جانا کہ جانے دو اگر جاتا رہا

جانے والی جائیں گی چیزیں نہیں کچھ ان کا غم
ساتھ میں ان کے مگر علم و ہنر جاتا رہا

فروری سنہ ۴۰ء

حالات حاضرہ

بیبیوں کا حجاب ہے غائب — ان کے منہ سے نقاب ہے غائب

غور سے شیخ و شاب کو دیکھو — خوف روز حساب ہے غائب

رہ گئیں دیکھنے کی بس آنکھیں — نظر انتخاب ہے غائب

گر ہو واعظ کی روز مہمانی — پھر عذاب و ثواب ہے غائب

ہے سہارا خضاب کا ان کو — گرچہ عمر شباب ہے غائب

دور رنگیں ہیں زاہد بے کس — ابر میں آفتاب ہے غائب

لیڈروں کی زبان پر ہے درد — قلب سے اضطراب ہے غائب

ان کی اسکیم ایک خیمہ ہے — جس کی ہر اک طناب ہے غائب

چلتے ہیں سارے کام چندوں سے — صرف ان کا حساب ہے غائب

لسٹ چندوں کی چند روزہ ہے — بعد میں وہ کتاب ہے غائب

نقد تحویل کے امین سب نے — اب جو پوچھو جواب ہے غائب

سخت مشکل حساب میں یہ ہے — کہ وہاں بے حساب ہے غائب

قوم ہے تشنہ کام ولب بستہ — اب دہن میں لعاب ہے غائب

بند ہے میکدہ میں مے نوشی — گھر میں سب اجتناب ہے غائب

ضبط کی تھی بھری ہوئی بوتل — لیکن اس کی شراب ہے غائب

خدمت قوم ہے فریب سراب — پاس جاؤ تو آب ہے غائب

زندہ باد انقلاب کی ہے پکار — قلب سے انقلاب ہے غائب

تذکیر و تانیث بزبان اردو

بہت پر لطف گو اردو زباں ہے — مذکّر اور مونث کی ہے دقت
پریشاں کن ہے یہ تذکیر و تانیث — اگر ہر چیز کی دیکھو حقیقت
مصایب جمع کا صیغہ مذکر — مونث ہے مگر واحد مصیبت
غضب ہے خوف و خطرہ ہے مذکر — مونث ہے شجاعت اور ہمت
بہت ہیبت فگن ہے تیغ براں — ہوئی تانیث لیکن اس کی قسمت
حجاب و پردہ گھونگھٹ اور برقع — مذکر ہے یہ کل سامان عورت
مونث ہے جناب شیخ کی ریش — ہو کچھ بھی اس کی مقدار و طوالت
مذکر ہو گیا گیسوئے جاناں — ہوئی اس کی طوالت کی یہ عزت
دوپٹہ عورتوں کا ہے مذکّر — مونث کیوں ہے دستار فضیلت
فراق و وصل ہیں دونوں مذکّر — مونث ہے مگر واعظ کی صحبت
ضروری تھا ہو چہرہ کی صفائی — عبث ہے نوجوانوں سے شکایت
ہوئیں جب مونچھ اور ڈاڑھی مونث — تو پھر کرنا پڑا دونوں کو رخصت

اپریل ۳۷ء

سیاسی ترقی

باقی رہا نہ دل میں ذرا خطرۂ گزند
بے خوف ساتھ ساتھ ہیں اب گرگ و گوسپند

لکچر پلیٹ فارم سے آتش فشاں ہیں روز
ہر شخص ملک و قوم کا بنتا ہے دردمند

ہمیز واہ واکی لگاتے ہیں حاضرین
ہے تیز تر صبا سے بھی گفتار کا سمند

جو رائے کے دھنی ہیں وہ رہتے ہیں دم بخود
سب سے زیادہ بانگ تہی مغز ہے بلند

معیار عقل چار طرف ہے بقدر جوش
جو دور بیں ہیں رکھتے ہیں اپنی زبان بند

تحریر میں بھی فاسفرس کی نہاں ہے موج
نقطہ ہے ایک ایک مضامین کا سپند

عاقل کا حال یہ ہے کہ اک چپ ہزار چپ
ہر بات اس کی ہوتی ہے اسکے لئے کمند

حق بات کہہ رہا ہوں مگر دل میں خوف ہے
وہ تلخ ہی رہے گی ملاؤں ہزار قند

ہے کیا عجب مجھے بھی سزائے سخن ملے
اکثر سنی ہیں ایک کے بدلے ہزار چند

وہ دن نہیں رہے کہ نصیحت کی قدر تھی
سنتے تھے لوگ جا کے بزرگوں سے وعظ و پند

بیکار مشورہ ہے ضروری نہیں صلاح
ہے اپنی اپنی رائے میں ہر ایک خود پسند

خوش قسمتی سے شیخ ہیں گر معتدل مزاج
بیوی کا ہے خیال ادھر انتہا پسند

آزاد ہیں تمام رسوم و قیود سے
بڑھ کر ہیں والدین سے فرزند ارجمند

فرزانگی یہی ہے کہ چپ دیکھتے رہو
جتنے ہیں ہوشمند رہے انکی زبان بند

مارچ ۳۳ء

ٹکس

اس ستم ایجاد کی بیداد ہے بیداد پر
روز آتی ہیں بلائیں اس دل ناشاد پر

بے زری نے کر دیا ہے ہر طرح بے بس ہمیں
چارہ جوئی کے لئے بھی ٹکس ہے فریاد پر

آشیاں پر ہو گیا محصول قایم باغ میں
ہیں ادھر پابندیاں لائسنس کی صیاد پر

ہے یقیں بنتا نہ شیریں کے لئے وہ کوہکن
ہوتی قائم سخت رایلٹی[51] اگر فرہاد پر

بن رہا ہے شادیوں پر فیس کا قانون آج
آگے چل کر ٹکس ہوگا ایک دن اولاد پر

یہ بھی سنتے ہیں کہ ڈیوٹی[52] ہوگی قائم بعد مرگ
آفریں ہے کونسل کی فکر اور ایجاد پر

پاس ہوں یا فیل ہوں اس سے نہیں کوئی غرض
فیس ہے لڑکوں پہ انکم ٹکس ہے استاد پر

غیر ممکن ہے کہ ٹکسوں سے رہائی ہو نصیب
ہے تحیر سب کو ان کے وزن اور تعداد پر

ہے مقرر جس طرح اک روز مرنے کے لئے
ہے ادائی ٹکس کی بھی لازمی میعاد پر

جنوری ۱۹۴۸ء

[51] محصول معدنیات [52] محصول

حسنِ انتظام ڈاک

ہوائی ڈاک میں جاکر کبوتر بن گیا لیٹر
ٹکٹ چسپاں ہوا اس پر تو لگجاتے ہیں اسمیں پر

لگائے ملک میں کارڈ نے چکر تین پیسہ میں
ہوا مفتوح خط پر ایک آنہ میں ذخیبر

دُعائے فضل رب پہلے خطوں کے ساتھ رہتی تھی
بھروسہ ہے ٹکٹ کا خط ہے لیٹر بکس کے اندر

کبھی خط میں بڑے القاب اور آداب لکھتے تھے
ہے اب باقی ڈیر اندر لفافہ پر فقط مسٹر

طریقۂ ڈاک کا کیا تھا ٹکٹ جبتک نہ نکلے تھے
گراں اور بار خاطر ہوتے ہیں بیرنگ خط اکثر

کبھی آجاتی ہے اک پارسل بھی ویلیو پے بل
نہ رکھنا یہ بھروسہ روز آئے گا منی آڈر

یہ حسن انتظام پوسٹ آفس بھی ذرا دیکھو
کہ ہے مردہ خطوں کے واسطے بھی اک بڑا دفتر

رسید آتی ہے اس کے دستخط کی ایک آنہ میں
رجسٹر کرکے مجنوں بھیجتا ہے یا رکو لیٹر

نہ ہوتی کوئے لیلیٰ میں کبھی مجنوں کو دشواری
بہ آسانی رسائی ملتی اس کو نامہ بر بن کر

بہت آرام دہ ہوتی یہ خدمت خط رسانی کی
کہ خود خط بھیجتا اور خود ہی دیتا ہاتھ سے جاکر

اپریل سنہ ۳۹ء

رفتار ترقیات زمانہ

پیام آشنا کوئی کہہ دے شیخ سے جاکر
کریں زمانہ کی رفتار پر بھی ایک نظر

ترقیات کا وہ سلسلہ ہے یورپ میں
کہ دیکھ کر جسے عالم ہے خیرہ و ششدر

چراغ جلتے ہیں بے تیل اور بتی کے
بغیر تار کے آتی ہے تار گھر میں خبر

گراموفون سناتا ہے لحن داؤدی
ریکارڈ نغمۂ شیریں کے ہو گئے گھر گھر

نہ اسپ کی ہے ضرورت نہ بیل کی حاجت
عجیب چیز ہے یہ تیز بے لگاں موٹر

کہیں پہاڑ کے اندر ٹرین جاتی ہے
کہیں وہ چڑھتی ہے افعی کی طرح چوٹی پر

جہاز ان کے کبھی غوطہ زن ہیں دریا میں
کبھی طیور کے مانند اڑتے ہیں سر پہ

ہے ان کے پاس تماشوں میں مختصر ہاتھی
سگان جیب بھی رکھتی ہیں لیڈیاں اکثر

رواں ہے بائیسکل تار پر جو سرکس میں
پل صراط سے آسان کر رہے ہیں گذر

اس اختصار پسندی سے سخت خطرہ ہے
کہیں شتر پہ دکھائیں نہ اپنا یہ جوہر

کرشمے دیکھ کر اہل فرنگ کے اے شیخ
خیال آتا ہے دل میں مرے یہ رہ رہ کر

بہ راہ روزن سوزن اگر نکل گیا اونٹ
تو داخلہ ہے پھر ان کا بہشت کے اندر

ستمبر ۱۵ء

خدمت گزاری

ہند میں بھی ہے ہوائے پیرس — کوئی مسٹر ہے یہاں اور کوئی مس
ہیٹ کے سایہ میں ہے ریشِ طویل — کہیں دھوتی پہ چڑھی ہے برجس
رُخِ لیلیٰ پہ ہے پوڈر کی بہار — کیوں نہ بیمار ہو چشمِ نرگس
گیند دیتا ہے اٹھا کر مجنوں — کھیلنے جاتی ہے لیلیٰ ٹینس
خوب آباد ہے ڈانسر کا ہال — وعظ ویران ہے سونی مجلس
مٹ گیا خادم و مخدوم کا فرق — دے گا آقا کو ملازم نوٹس
نظر آیا نہ انہیں دزدِ حنا — رازِ دل ڈھونڈھتی ہے خفیہ پولس
کورٹ میں بڑھتی ہے پیشی ہر روز — جج کا جاری ہے ڈنر پر جسٹس
جھوٹے دعوے کی ہوئی ہے ڈگری — دینِ حق کورٹ کرے گی ڈسمس
کیس کا فیصلہ برسوں کا ہے کام — کبھی ناغہ نہیں ہوتا ٹینس
جاں نثاری کی نہیں قدر کوئی — دیکھی جاتی ہے ڈنر کی سروس
مال والوں ہی کو پایا دل تنگ — جو ہے زردار وہی ہے مفلس
خادمِ قوم ہیں کہنے کو بہت — شاذ ہے ملک میں پبلک سروس

جولائی ۱۹۲۳ء

ترقیات زمانہ

ترقیات زمانہ ہیں غور کے قابل
تعجبات سے خالی نہیں بشر کی تلاش

نہیں ہے فکر معیشت سے ایک بھی غافل
جہاں میں کون ہے جس کو نہیں ہو زر کی تلاش

تمام لوگ ہیں مصروف جستجو ہر سو
کہیں ہے علم کی خواہش کہیں ہنر کی تلاش

کسی کے پیش نظر وسعت حکومت ہے
کسی کو جاہ کسی کو ہے کر و فر کی تلاش

کسی کی بزم میں تقریر ہے قیامت خیز
کسی کو رزم میں ہے نصرت و ظفر کی تلاش

ہے بار بار سمندر میں غوطہ زن غواص
سبب یہ ہے کہ لگی ہے اسے گہر کی تلاش

مشاہدات ہمارے لئے ہیں سب بے کار
ہمیں ہوئی نہ بیاباں میں رہ گزر کی تلاش

ہزار دم ہے لبوں پر مگر یہ حالت ہے
نہ جستجوئے اطبا نہ ڈاکٹر کی تلاش

ہے ٹیلیفون سے گفت و شنید عالم میں
ہمیں لگی ہے وہی مرغ نامہ بر کی تلاش

ریسرچ[1] کی وہی رفتار اب بھی جاری ہے
کبھی دہن کی کبھی یار کی کمر کی تلاش

خدا کے واسطے ڈھونڈھو فلاح کی صورت
درخت خشک سے بے سود ہے ثمر کی تلاش

نومبر ۳۲ء

[1] تحقیقات۔

نئی روشنی

جب سے بجلی نے دیئے تیل بتی کے چراغ
ہو گئے روشن ہمارے گھر ہزاروں بے چراغ

کرمکِ شب تاب کی ہے اس مکاں میں روشنی
مہر و مہ سے بھی زیادہ جس کی روشن تھے چراغ

پھرتے ہیں گمنام دنیا میں ہزاروں تیرہ بخت
جنکے تھے اسلاف اک دن بزمِ عالم کے چراغ

روشنی جن سے ہوئی دنیا میں۔ ان کی قبر پر
آج اتنا بھی نہیں جا کر کوئی رکھ دے چراغ

اہلِ یورپ کی ترقی کا ہے اک دن ما حصل
وہ مکاں محفوظ ہوگا جو ہے شب میں بے چراغ

رات دن ہے ہر طرف دشمن کی طیاروں کا خوف
کرتے ہیں روشن مکانیں لوگ چوری سے چراغ

از سرِ نو ہو گی جب تعمیرِ دنیا بعدِ جنگ
کام آئیں گے ہمارے پھر وہ مٹی کے چراغ

اگست ۳۹ء

تغیّرات زمانہ

کھینچتے ہیں مجھ کو واعظ باغ رضواں کیطرف
دل مرا لے جا رہا ہے کوئے جاناں کیطرف

ہے بہا۔ باغ جنّت نیک بندوں کے لئے
میں نظر کرتا ہوں اپنے سازوساماں کیطرف

شیخ کا کہنا ہے رکھو ظاہری صورت درست
اور رندوں کی نظر ہے ان کے ایماں کیطرف

فرد ہو یا قوم ہو آجائے جب مطلب کی بات
کون کرتا ہے نظر پھر عہد و پیماں کی طرف

قسم اعلیٰ کی جو پیتے ہیں وہ کب بدنام ہیں
شیخ جاتے ہیں ہمیشہ جنس ارزاں کیطرف

کہدو پروانہ سے پہلے جان کا بیمہ کرے
شوق سے پھر ہو روانہ شمع سوزاں کیطرف

فصل گل ہیں قیس و لیلیٰ کا جنوں ہموزن ہے
ساتھ جاتے ہیں کرسمس ہیں بیاباں کیطرف

جیب میں پتلون کے رہنے لگے مجنوں کے ہاتھ
انکو مہلت ہی کہاں جائیں گریباں کیطرف

زندگی اچھی بری ہوجائیگی اک دن تمام
ہیں وہ خوش قسمت نظر ہے جنکی پایاں کیطرف

جنوری ۳۷ء

اتحاد بین الاقوام

سب کی خواہش تھی ہو شیخ و برہمن میں اتفاق
کوئی صورت ایسی نکلے دور ہو جائے نفاق

دونوں جانب کی ہوئیں سب کوششیں ناکامیاب
بات تھوڑی سی تھی لیکن ہو گئی مالا یطاق

دور سے انکو بہت مرغوب تھی ہوٹل کی سیر
شام کو جانے لگے اندر زراہ اتفاق

دیکھتے تھے ساغر و مینا کا جلوہ میز پر
رفتہ رفتہ دل میں پھر پیدا ہوا کچھ اشتیاق

برہمن نے ترک کر دیں سب قیود شاستر
شیخ نے بھی زہد اپنا رکھ دیا بالائے طاق

مے عجب شے ہے محبت آفرینی کے لئے
ہو گئے شیر و شکر بدلا طبیعت کا مذاق

چار دن میں ہو گیا مابین عہد دوستی
پہلے لڑنے کے لئے دونوں تھے ہر دم چست و چاق

جام صہبا نے کدورت دل سے دھو ڈالی تمام
شاق ہے انکو بہت اب ایکدن کا بھی فراق

ایسا شیشہ میں اتارا ساے جھگڑے مٹ گئے
شغل مے نوشی ہے دو کو ایک کر دینے میں طاق

بے غرض الفت بنا دیتی ہے دشمن کو بھی دوست
مے کشوں میں میل ہے اور واعظوں میں افتراق

فروری ۱۹۳۲ء

زمانہ کی چند نیرنگیاں

ڈر ڈر کے شیخ پڑھتے ہیں لاحول آج کل
شیطاں کے پاس رہتا ہے پستول آج کل

خفیہ پولس کے لوگ ہیں ہر وقت گرد و پیش
خالی نہیں ہے خطرہ سے ماحول آج کل

شیطاں کے پاس توپ ہے اب اور مشین گن
کافی نہیں ہے شیخ یہ لاحول آج کل

مے نوش چین سے ہیں پریشاں ہیں مے فروش
ڈالے ہیں کانگرس نے نئے ڈول آج کل

موٹر بھگائے پھرتے ہیں لیلیٰ کے واسطے
مجنوں کو ہے ضرورت پٹرول آج کل

دنیا تباہ حالتِ دیں ہے تباہ تر
ہے فعل ہی درست نہ ہے قول آج کل

رفتار یہ زمانہ کی لے جائے گی کہاں
حافظ کے دل میں ہوتا ہے یہ ہول آج کل

ستمبر ۱۴۶ء

ضبطِ تولید

نئی تہذیب نے کیا خوب دکھائی مشعل
امر پیچیدہ رہے گا نہ کوئی لاینحل

نئی ایجاد ہوئی ہے پئے ضبطِ تولید
اب یہ تلقین ہے لوگوں کو کریں منعِ حمل

جب تمنّا نہ ہو اولاد کی باقی دل میں
کتخدائی کا طریقہ بھی ہے اک طولِ عمل

خانہ داری کی ہے اس دور میں فکرِ ناحق
ایک کوچہ نہیں جس میں نہ ہو قائم ہوٹل

کوئی پانی کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے اگر
کس تکلّف سے انھیں ملتی ہے رنگیں بوتل

پہلے اولاد سے ہوتی تھی مکاں میں رونق
آج بچّوں کے سبب عیش میں پڑتا ہے خلل

گرچہ منشا ہے اضافہ نہ ہو آبادی میں
اس میں مضمر ہے مگر فائدہ لوگوں کا ڈبل

مل گئی لوگوں کو لغزش میں بڑی گنجایش
دل ہے پہلو میں تو خالی نہ کبھی ہوگی بغل

قافیہ کی نہ رہی قید نہ کچھ فکرِ ردیف
اب تخیل کی ضرورت نہیں آساں ہے غزل

نومبر ۳۳ء

شخصی حکومت اور قوانین کا جال

جب کبھی اقبال کا دنیا میں ہوتا ہے زوال
کام پھر آتا نہیں گزرا ہوا جاہ و جلال

ہو گئی حالت یہی نام مغل کی آج کل
اس کی رحلت کو نہیں گزرے ابھی ہشتاد سال

جب کبھی شخصی حکومت کا کوئی کرتا ہے ذکر
بے تامل لوگ دینے لگتے ہیں اس کی مثال

ہو اگر اقبال بالا ذرہ بھی خورشید ہے
پھر نہیں ہوتا ہے حسن و قبح کا کوئی سوال

وہ طریقہ اور تھا طرز عمل ہے آج اور
ان دنوں قانون میں جکڑا ہوا ہے بال بال

اشرفی بازار میں ڈھونڈھے سے بھی ملتی نہیں
سکہ زر کی جگہ رائج ہے کاغذ یا سفال

راستہ میں اپنے سیدھے ہاتھ پر چلنا ہے جرم
ہر طرف قانون کا پھیلا ہوا ہے سخت جال

سب کی آزادی مقید ہو گئی قانون سے
ہر جگہ پابندی آئیں ہے اب بے قیل و قال

شکر ہے خوش قسمتی سے یہ طریقہ اب ہوا
دل میں سوچا آج کیا دنیا میں ہوتا اپنا حال

اس زمانہ سے اگر قانون بنتے آج تک
سانس تک لینا یہاں انساں کو ہو جاتا محال

اپریل ۳۶ء

قومی چندے

ہوئی قومی ترقی کے لئے جب فکر مستقبل
وفورِ جوش سے لیڈر ہمارے بن گئے سائل

ہمیشہ نقد سے ہر کام کی قسمت چمکتی ہے
اگر امداد ہو پوری تو پھر آساں ہے ہر مشکل

امیروں اور غریبوں کو سُنائی داستانِ غم
دیا ہر ایک نے لاکر خوشی سے جو تھا جس قابل

رقم کافی ہوئی حاصل۔ فراہم جب ہوئے چندے
یہ اک دریا ہے بے پایاں نہیں جسکا کہیں ساحل

نہایت گرمجوشی تھی رقم جب تک نہ آئی تھی
مگر تھوڑے دنوں میں جوشِ قومی ہوگیا زائل

جو کچھ پیشِ نظر تھا پڑ گیا ناگہ کھٹائی میں
جو منصوبے تھے پہلے رفتہ رفتہ ہوگئے باطل

پڑا ہے آج تک اُنکی امانت میں وہ سرمایہ
بزرگوں کا مقولہ ہے حسابِ دوستاں در دل

اکتوبر سنہ ۴۰ء

تفریح پرستی

اک مولوی صاحب ہوئے قسمت سے مڈل پاس — اس دن سے تقدس کا ہوا اور ہی عالم

تبدیل ہوئی وضع بھی حضرت کی بتدریج — اور ریش بھی مقدار میں گھٹنے لگی یک دم

ہوتی تھی گراں شام کو پھر خانہ نشینی — ہر کام پہ تفریح ہوئی ایسی مقدم

اک روز گزر میرا ہوا جانب ہوٹل — دیکھا تو وہاں بیٹھے ہیں مخدوم و مکرّم

دو چار قدم دور تھے گو ساغر و مینا — رہ رہ کے نظر جاتی تھی اس میز پہ ہر دم

رفتار زمانہ ابھی دکھلائے گی کیا کیا — رہ رہ کے خیال آتا تھا دل میں مرے پیہم

اللہ نگہبان رہے اس کی اماں ہو — ایمان سے بڑھ کر ہے یہاں مرغ مسلم

اگست ۱۹۰۹ء

مسلم اقلیت کا پولس کی طرف سے علاج

ہے شیخ و برہمن کا یہ کہنا کہ ہیں توام — دونوں ہیں برابر نہ زیادہ نہ کوئی کم

آپس کے یہ جھگڑے ہیں بہت قابل نفریں — لازم ہے رکھیں ملک کی بہبود مقدم

ہے زیست کا جب لطف یہ دونوں رہیں ہمدوش — ہر کام میں ہر وقت مددگار رہوں باہم

مسلم کی شکایت ہے کہ گنتی میں ہیں تھوڑے — تعداد میں کم ہونے کا رہتا ہے انھیں غم

کہتے ہیں نہیں ملک میں کچھ قدر ہماری — سرکار میں دربار میں پیچھے ہیں بہت ہم

فریاد و فغاں ہوتی ہے آوازہ بہ صحرا — غمخوار کوئی ہے نہ کوئی یار و ہمدم

گنتی کی کمی سے ہیں خسارہ میں ہمیشہ — ہر کام میں تیار ہے اغیار کا کورم[۵۱]

یہ ان کی شکایت بھی بجا ہے کسی حد تک — سینس[۵۲] کا مگر فرق ہے اک امر مسلّم

ہوں کیسے بھلا دونوں توازن میں برابر — تعداد کی تفریق کا قانون ہے محکم

ممکن نہیں یہ فرق کبھی ہو نظر انداز — کوشش ہے بہت کچھ کم ہو اسکے لئے تاہم

چالان[۵۳] میں مسلم پہ پولس کا ہے یہ احساں — تعداد میں ہوتے نہیں اوروں سے کبھی کم

مارچ ۱۹۴۱ء

---

۵۱ تعداد جو ضروری ہوتی ہے تاکہ جلسہ کی کارروائی کی جائے۔ ۵۲ مردم شماری۔

۵۳ فرد استغاثہ جو پولس عدالت میں پیش کرتی ہے۔

ہوم رول کی حقیقت

مچی ہے ملک میں ہر سو جو ہوم رول کی دھوم
سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے اس کا کیا مفہوم

نظام ملک میں ہوتے تھے حاکم و محکوم
ازل سے دونوں تھے باہم یہ لازم و ملزوم

رہا نہ فرق کوئی ان کے درمیاں باقی
وہ ربط وضبط زمانہ نے کر دیا معدوم

نئے طریق کا ملتا ہے آج کل خادم
حقیقتاً ہے وہ آقا کے واسطے مخدوم

ہوا ہے ہم پہ یہ تعلیم مغربی کا اثر
کہ یک قلم ہوئیں منسوخ کل قیود و رسوم

سمجھ رہے ہیں جو لیڈر بڑا مغالطہ ہے
عروس ملک کی خدمت بنائے گی مخدوم

خود اختیار پہ ہر شخص کا تسلط ہے
رہیں گے پھر بھی حکومت سے ہر طرح محروم

گیا وہ وقت کہ دولہا کو کہتے تھے نوشاہ
یہ مرتبہ ہے اب اس کا عروس کا ہے گروم[1]

میاں پہ جیسے تسلط ہے گھر میں بیوی کا
ہے ہوم رول بھی گویا حکومت محکوم

جو ابتدا حکومت کی ہے یہ شان تنزل
بس اک جواب ملے گا ہمیں خدا معلوم

مارچ سنہ ۲۱ء

[1] برائڈ گروم یعنی دولہا اور گروم بہ معنی سائیس۔

ایک نوجوان سے خطاب

نوجواں تجھ کو سزاوار ہو یورپ کا چلن — یہ دعا ہے کہ مبارک ہو تجھے یہ فیشن

کوٹ پتلون ترا ایسکوتھ لارڈ سے ئے — اور پہننے کے لئے بوٹ بنائے ڈاسن

اب فلالین ہے پوشش کیلئے اور ٹویڈ — وہ زمانہ گیا جب لوگ پہنتے تھے چکن

ہو گیا بند عبا اور انگرکھے کا رواج — آج درزی بھی نہیں جانتے کیا ہے چکن

شیروانی بھی عجب کیا ہے روانہ ہو جائے — ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی ہے ہم کو اچکن

ایوننگ کیپ کا کیا حسن ہے اللہ اللہ — ترکی ٹوپی کو بھی مل جائے گی شاید پنشن

گھنڈی تکمہ کا کہیں نام و نشاں تک بھی نہیں — لوگ کپڑوں میں لگانے لگے چمڑے کے بٹن

سیفٹی پن سے مرصع ہوا تیرا کالر — سلک ٹائی سے مزین ہوئی تیری گردن

ناپنے کی تری عادت ہوئی انچ اور فٹ سے — تیری گنتی ہے ہمیشہ بہ حساب درجن

بے نیازی کی نشانی ہے ترے منہ میں چرٹ — لوگ رہ جاتے ہیں انگشت تحیر بہ دہن

سادہ لوحی تری ظاہر ہوئی کف کالر سے — حاشیہ متن کے کرتا ہے معانی روشن

تیرے فیشن کی روانی میں رکاوٹ ہی نہیں — نہ تو کاما ہے نہ کولن ہے نہ سیمی کولن

سر میں لوگوں کے نئی روشنی کیونکر نہ سمائے — کہیں بجلی ہے کہیں گیس کہیں ہے کٹسن

سوڈا المنٹ کی لگائی ہے دکاں لیلیٰ نے — رہے اس دور میں مجنوں کی بلا تشنہ دہن

پارک میں جلوۂ فردوس نظر آتا ہے — آ کے حوران بہشتی نے سجایا ہے چمن

قابل دید ہے ہر سو گل لالہ کی بہار — ہیں کہیں سرو رواں زیب فزائے گلشن

چشم نرگس میں سمائے ہیں بلا کے غمزے — چل رہی ہے کہیں تیزی سے زبان سوسن

کمپنی باغ میں ہے حسن کا فنسی بازار — رنگ ہر روز بدلتا ہے بتوں کا فیشن

بینڈ کے ساتھ قدم اٹھتے ہیں ہنگام خرام — قابل دید ہے گلگشت جوانانِ چمن

بن گیا فرطِ مسرت سے شجر موسیقار — پتے پتے سے نکلتی ہے صدائے ارگن

اشتہاروں کی عجب شان ہے دوکانوں میں — کھینچ لے جاتے ہیں لوگوں کو پکڑ کر دامن

قابلِ دید ہے مشاطۂ یورپ کا مکاں — کوئی انگلش کوئی جرمن ہے کوئی ہے رشین

جامۂ جسم کی ہر روز ہے آرائشِ نو — نیم عریانیِ تن ہو گئی حسنِ فیشن

گیسوئے یار کے بل دور کئے قلینچی نے — اب نہ وہ اس کی طوالت ہے نہ اس میں الجھن

لوحِ سادہ کو بھی پوڈر نے بنایا رنگیں — برگِ گل ہو گئے رخسار و لب و چاہِ ذقن

نئے انداز سے ہے ابرو و مژگاں کا سنگھار — کاجل اور سرمہ کی شرمندہ نہیں ہے چتون

مانگ میں حرف غلط ہو گیا سیندور کا خط — بین ابرو نظر آتا ہے بہت کم چندن

جس طرح اٹھتی ہیں دریا میں ہوا سے موجیں — رو زنیتی ہے یہاں گیسوئے جاناں میں شکن

تیز خوشبو سے تنفر ہے چمک سے پرہیز — سر کے بالوں میں ہے روغن کی جگہ اب لوشن

کاسمیٹک نے کیا غازۂ کہنہ خارج — پر شکن رخ ہوا تازہ بہ طریق لندن

مضمحل حال کو سائنس سے امداد ملی — پھر ابھر آتا ہے ڈھلتے ہوئے سن کا جوبن

زندگی ہو گئی دشوار تراس تزئیں سے — ضبطِ عشاق پہ ہے حسن یہاں برق فگن

ترکِ شیراز خجالت سے ہوا ہے روپوش — جس کے اک خال پہ قرباں تھے سمرقند و ختن

حسن کے سامنے ایثار ہے اب لامحدود — لوگ تیار ہیں دینے کے لئے تن من دھن

جس جگہ ٹھوکریں کھاتے تھے خیالات کبھی — آج اس راہ سے جاتا ہے سڑک کا انجن

حسن کی چار طرف دیکھ کے یہ طغیانی — طاقت ضبط ہی باقی ہے نہ یارائے سخن

جب کہ بازار میں ملتے ہوں معطر صابون
آپ ہی کہیئے بھلا کون ملے گا بیسن

جس میں پوڈر کی نہ سرخی نہ لونڈر کی شمیم
خاک لوگوں کو پسند آئے پسا انا ابٹن

اب کنیزیں نہیں آیا کی ہے بنگلوں میں بہار
نسترن بی کا پتہ ہے نہ نشان سوسن

چو رسب بیٹھ گئے گھر میں پولس کے ڈر سے
ہے حسینوں میں یہ ہمت کہ بنے ہیں رہزن

عاشقی میں نہ رہی کوہ کنی کی حاجت
شوق ہو دل میں تو من کی ہیں سب اچھا پورن

گرچہ ارزاں ہے بکثرت ہے مگر نازک ہے
ساخت میں عشق بھی ہر شے کیطرح ہے جرمن

اس زمانہ کا صنم ہے بت جرمن سلور
اور عشاق کو دھوکا ہے کہ ہے سیمیں تن

نوجواں جب پئے تحصیل گیا کیمبرج
کیا خبر تھی کہ وہاں حسن بنے گا رہزن

چین سے دور گیا علم کو حاصل کرنے
جستجو تھی تری افضل ترا مقصد احسن

بیشتر گرچہ وہاں تھا ترا کالج میں قیام
جاکے پیرس کبھی دیکھا کبھی پہونچا لندن

تھے مشاغل ترے دلچسپ تماشے بھی نئے
اپنا مقصد ہی رہا یاد تجھے اور نہ وطن

تھا لڑکپن سے ترا حسن پرستی شیوہ
روز کرتا تھا سر راہ بتوں کا درشن

ہوا ہوٹل میں حسینوں کی ملاقات کا شوق
نوش کرتا تھا بڑے ذوق سے چائے لپٹن

شاپ میں جاکے ہوا ایک تبسم کا شکار
مسکراتی ہوئی آئی جو مس سیمیں تن

شعلہ عشق نے اک آگ لگا دی دل میں
خاک و برباد ہوا ضبط و خرد کا خرمن

فکر تحصیل گئی اور رہا جذبہ عشق
ڈگری حاصل نہ ہوئی ساتھ میں لے آیا دلہن

تجھے یورپ کی ہوا بھی نہ سزاوار ہوئی
نئے اطوار ہوئے ہند میں تیرے دشمن

تپ تکلف ہیں ہمیشہ ترے لنچ اور ڈنر
دوستوں کے لئے آباد ہے ہر وقت کچن

باپ دادا کی کمائی کی مدد ہے ورنہ
پانچ مشکل تجھے جہاں پاتا ہے بٹلر بچین

یہ تو کچھ بات نہیں تو رہے آرائش میں
امتحاں پاس کریں رام رتن گوبردھن

حوصلہ دل میں کوئی اور نہ فکرِ انجام
پست ہمت ہوئے وہ لوگ جو کھاتے ہیں مٹن

اس مٹن سے ہے بقولات کا کھانا اچھا
اس مَتَنجن سے نتائج میں ہے بہتر بیگن

عید کے دن تو پریشان ہے اپنے گھر میں
ہاں کرسمس پہ ہے جنگل میں مزیدار ٹفن

ارتقا نام ہے جس کا ہے بہت دور ابھی
تو نے سمجھا ہے کہ سب کچھ ہے یہ ٹوسٹ اور مکھن

اہل یورپ کا ہنر ایک نہ سیکھا تو نے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ گیا کیوں لندن

نہ وہ پابندی اوقات نہ وہ مستعدی
تو نے سمجھا ہے کہ کافی ہے یہ آرائش تن

تجھ پہ رکھتا ہے وہی حکم کلب کا نوٹس
حاضری کے لئے جیسے ہو عدالت کا سمن

حیف صد حیف ادا ہو نہ تری ایک نماز
اور میدان میں کرکٹ کے ہوں تیرے سو رن

چند اوراق پراگندہ کا ہے نام کتاب
چند افراد کا دعویٰ ہے کہ ہم ہیں نیشن

گاہ وہسکی کے ہوئے گاہ برانڈی کے شکار
نشہ ہوتا تھا جنہیں دیکھ کے اوروں کا ہرن

نئے فیشن کی تکالیف بھی ہوتی ہیں نئی
یاد آئے گی کسی روز تجھے طرز کہن

آپریشن کے سوا آج نہیں اس کا علاج
جس مرض کے لئے کافی تھا ذرا سا چورن

مقصد زیست ہے انساں کیلئے خدمت خلق
نہ تجھے حب اعزا نہ ذرا حب وطن

ملک کو اپنے نہ بھول اور کبھی اپنوں کو نہ بھول
خواہ لندن میں ہو یا ہند میں تیرا مسکن

ہم نے مانا کہ بدلتے ہیں زمانہ کے طریق
سکۂ زر کی جگہ نوٹ کا ہے آج چلن

قدر ہر شخص کی ہے جوہر ذاتی کے سبب
کام دیتا نہیں دنیا میں یہ کورا فیشن

اگست ۱۹۳۶ء

نیرنگیٔ زمانہ

ہوئے سب مرحلے ہموار اس دنیا کے چکّر میں
مساجد میں ہیں لکچر وعظ ہوتے ہیں تھیئٹر میں

میانِ رند و زاہد رہ گیا ہے فرق چلمن کا
کہیں ہے آشکارا مے خوری چھپکر کہیں گھر میں

رہیں ہم بے خبر دنیا سے یہ واعظ کی کوشش ہے
ادھر دیں کی تباہی کا نہیں احساس لیڈر میں

بڑی جرأت سے ہے تلبیس ہر سو حق و باطل کی
سمجھ رکھا ہے لوگوں نے ابھی ہے دیر محشر میں

عجب نیرنگیاں ہم دیکھتے ہیں اس زمانہ کی
سبق ہے چشم عبرت کے لئے ہر ایک منظر میں

لیاقت ہو تو پھر فیشن کی زیبائش بھی اچھی ہو
کریگا شانہ کیا خدمت نہ ہوں جب بال ہی سر میں

فرشتے بھی تماشے دیکھتے ہونگے سینما کے
خدا معلوم وہ کیا درج کرتے ہیں رجسٹر میں

قیامت کی ہے برپا کاسمیٹک اور پوڈر نے
نہیں وہ رنگ و بو و تازگی برگ گل تر میں

سکھاتے تھے سلیقہ لڑکیوں کو خانہ داری کا
مگر اب آرزو یہ ہے کہ وہ داخل ہوں دفتر میں

پسر رہ جاتے ہیں علم و ہنر سے مطلقاً عاری
مگر سب خوبیاں اب جمع کی جاتی ہیں دختر میں

ابھی تو ابتدا ہے دیکھئے انجام کیا ہوگا
نیا سودا سمایا ہے یہاں ہر ایک کے سر میں

دسمبر ۳۹ء

دورِ حاضر کی چند خاص باتیں

جب سما جائے کسی شخص کے سودا سر میں
عیش زنداں میں وہی ہے جو ہو اسکے گھر میں

چال ہر روز بدلتے ہیں یہ لیڈر اپنی
یہ تلون کبھی دیکھا نہ گیا راہب میں

اک تماشا ہے کہ آقا میں نہیں خودداری
یہ صفت اب نظر آتی ہے فقط نوکر میں

خانہ داری کیطرف ان کی توجہ نہ رہی
عورتوں کے گئے جسدن سے قدم دفتر میں

بات خالص کبھی بے سود نہ جاتی اے شیخ
صاف ہو جائے اگر وعظ ترا فلٹر میں

زینت و حسن چھپاتی تھیں خواتین کبھی
اندنوں پردہ افلاس ہے اس چادر میں

دید کا لطف کم و بیش تھا جھجی میں کبھی
اب نظر آتی ہے تھوڑی سی جھلک موٹر میں

یار کے شکوۂ بیداد سے میں درگزرا
یہ گوارا نہیں خجلت ہو اسے محشر میں

تارپیڈو سے نہیں کم نگہ شوخ تری
کشتئ عمر مری ڈال گئی چکر میں

یار و احباب نے جب سے ہمیں چھوڑا حافظ
زندگی کٹتی ہے بیٹھے ہوئے اپنے گھر میں

جنوری ۳۲ء

۱۹۱۸ء میں جب میں ریاست بستر میں بعہدہ دیوان مامور تھا ایک
دوست کے خط کے جواب میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے گئے

قصہ پر لطف ہوں دل چسپ فسانہ نہیں ہوں
دوستو میں آج کل بستر[1] کے دیوانوں میں ہوں

حضرت آدم کی دنیا یاں سے دو سو میل[2] ہے
قیس ہو جائے خجل ایسے بیابانوں میں ہوں

تن ہو عریاں تو پھر بیکار ہے دست جنوں
یاں ہی لیلیٰ کو بلوا لیسے پریخانوں میں ہوں

پھنس گیا ہوں آ کے جنگل میں نکل سکتا نہیں
ہے عجب نیرنگ میں خود اپنے زندانوں میں ہوں

گونجتی ہے رات دن کانوں میں شیروں کی گرج
کس طرح سمجھاؤں میں دل کو کہ انسانوں میں ہوں

کھا رہی ہیں مجھ کو فکریں اور میں کھاتا ہوں غم
ان کا ہوں میں میزباں اور اسکے مہمانوں میں ہوں

نامۂ اعمال ہے تاریک موئے سر سفید
اک امید مغفرت ہے یہ ہی مسلمانوں میں ہوں

دسمبر ۱۹۱۸ء

[1] صوبہ متوسط کی سب سے بڑی ریاست۔

[2] ریاست بستر کا صدر مقام جگدل پور ریل سے ۱۸۴ میل پر واقع ہے۔

جلسہ رقص بامداد خیرات

رقص ہے اس شوخ کا خیرات کی امداد میں
لوگ اس حیلہ سے آئیں گے بڑی تعداد میں

لیڈیاں ماہ وش تقسیم کرتی ہیں ٹکٹ
شوق شرکت جوش میں ہے حلقہ زہاد میں

آج سفاکی بھی ہے اسٹیج سے اک کار خیر
مرہم نیکی نہاں ہے نشتر فصاد میں

گل فروشی کے لئے نکلے جو باہر سنگدل
دل ہوئے ہیں آب نرمی آ گئی فولاد میں

کس مپرسی میں حقیقی غمزدہ ہے راہ پر
یا الٰہی صبر دے اس کے دل ناشاد میں

دیکھتا ہے روز بلبل کو گرفتار قفس
رحم کا جذبہ نہیں ہوتا دل صیاد میں

زیر گردوں اب نہیں غم کی صدائے بازگشت
کچھ اثر باقی نہیں رنجور کی فریاد میں

فروری ۳۴ء

مسلم خواتین اور پردہ

ایک دن وہ تھا کہ ہر جانب یہ ہوتی تھی پکار — بیبیاں پردہ میں ہو جائیں کہ مرد آتے ہیں یہاں

پھر یہ دیکھا لوگ کہتے تھے با آواز بلند — مرد کر لیں اس طرف منہ آ رہی ہیں بیبیاں

پارسل بن کر کبھی نکلیں جو تانگہ میں کہیں — اس کے اندر سے نظر آتی تھیں خالی انگلیاں

جھانکنے کا راستہ میں اک عجب انداز تھا — کھلتی تھیں اور بند ہو جاتی تھیں فوراً کھڑکیاں

رفتہ رفتہ ہو گیا غائب وہ گھونگھٹ کا رواج — برقع اور پردہ کہیں حائل نہیں ہے درمیاں

ریل گاڑی میں بھی اب وہ پردہ چادر نہیں — جب سے رائج ہو گئیں یہ خوبصورت ساڑیاں

رنگ بدلا ہے زمانہ نے بڑی تیزی کے ساتھ — آج جلسوں اور تماشوں میں نہیں وہ سختیاں

مرد اب رہتے ہیں پیچھے بیبیاں ہیں پیش پیش — اور سب انکے لئے کرتے ہیں خالی کرسیاں

عام جلسوں میں صف اول میں ہے انکی نشست — بیوی لکچر دیتی ہیں خاموش بیٹھے ہیں میاں

اگست ۳۹ء

فلم سازی اور حسینوں کا ایثار

تھیٹر کا بڑا شہرہ ہے فرضی عشق بازی میں
حسیں دیتے ہیں بوسے بے تکلّف فلم سازی میں

در و دیوار پر چسپاں ہیں حسن و عشق کے نقشے
کمال اپنا دکھایا ہے بتوں نے بے نیازی میں

یہ جلوے دیکھ کر شیخ و برہمن ہو گئے بے خود
رہا پرہیزمندی کا نہ تقویٰ ہے حجازی میں

برہمن بھول کر بت کو ہوا تصویر کا شیدا
تغیّر ہے بلا کا رد و تسارد ح نمازی میں

ہوئے ہیں رند و زاہد اس طرح ہم رنگ مل جل کر
نہیں ہے فرق گویا اب گلابی اور پیازی میں

شفا خانوں میں اور ہر جنگ کے میدان میں نرسیں ہیں
بڑی امداد ہو جاتی ہے ان سے چارہ سازی میں

تماشوں کا ہے مقصد دوسروں کا غم غلط کرنا
یہی اک مدعا مضمر ہے انکی دل نوازی میں

حسینوں کا یہ اک ایثار ہے تفریح کی خاطر
وہ کافر ہے جو شک کرتا ہو انکی پاکبازی میں

کوئی عارف نہیں ملتا کہ اس سے پوچھ لیں آتنا
کہاں تفریق ہوتی ہے حقیقی اور مجازی میں

اکتوبر ۳۶ء

زمانہ کی نیرنگیاں

بہت ڈھونڈھا جناب قیس کو لوگوں نے جنگل میں
مگر وہ آج کل بیٹھے ہوئے ملتے ہیں ہوٹل میں

تردد میں پڑا ہے ناخدا کچھ بن نہیں پڑتا
سمندر سے زیادہ ڈوبتے ہیں لوگ بوتل میں

تفنگ اور توپ سے اقوام کی ہوتی ہے خونریزی
ادھر نرسیں بھی زخمی کیلئے رہتی ہیں مقتل میں

برابر ہو گئے زاغ و ہما تعلیم وہ شے ہے
رہا باقی نہ کوئی فرق اعلیٰ اور اسفل میں

نہیں بلبل کی شان امتیازی خاص اب باقی
ہے اس سے بھی زیادہ نغمہ سنجی آج کوئل میں

نئی تہذیب کی کشتی کہاں لے جائیگی ہم کو
بڑے طوفان کا ہے سامنا اس دور اول میں

سیہ بختوں کی قسمت میں ہمیشہ برق باری ہے
ہزاروں حسرتیں لپٹی ہوئی رہتی ہیں یا دل میں

مارچ ۳۶ء

تہذیبِ مغرب کا تسلط

وفورِ حسن کا طوفاں بپا ہے ہوٹل میں
عجیب شان سے پریاں چھپی ہیں بوتل میں

بہارِ دید کے قابل تھی پارک کی جانب
جنوں ہوا تھا جو پھرتا تھا قیس جنگل میں

بہار آئی ہے عالم میں ایسی تیزی سے
مناسبت نہ رہی کوئی آج اور کل میں

دماغ پھر گئے ایسے ہوائے مغرب سے
کہ دردِ سر کا اثر ہو گیا ہے صندل میں

کچھ ایسا رنگ جمایا ہے اپنا پوڈر نے
کہ اب کشش نہیں سرمہ میں اور نہ کاجل میں

جبین و ابرو و مژگان و رخ معاذ اللہ
مشین[1] گن کا نظارہ ہے ان کی صیقل میں

بتوں کی زلف میں جا کر یہ دل الجھتا تھا
اب اسکو لیتے ہیں شیک ہینڈ سردہ چنگل میں

جنابِ شیخ بڑے مدعی تھے تقوے کے
کیا تلاش تو نکلی شراب چھاگل میں

قدم پھسل گیا ایماں میں پڑ گئے رخنے
بتوں کے حسن کی دیکھی جھلک جو ململ میں

بتانِ ہند کو مغرب نے کر دیا رنگیں
شفق کے رنگ نمایاں ہوئے ہیں بادل میں

ہیں ہاتھ نرم مگر دل میں ہے بڑی سختی
نہاں ہے خنجرِ آہن نیامِ مخمل میں

زمانہ ہے متلون کچھ اعتبار نہیں
یہ آب و رنگ بدل جائیگا پھر اک پل میں

جنوری ۳۶ء

[1] متواتر فیر کرنے والی توپ۔

فریبِ حسن

شیخ چکر میں پڑے ہیں یہ خیال آتا ہے
تشنہ لب کیوں رہیں دنیا میں وہ رہ کر لب جو

گوشہ گوشہ میں ہے ہر پارک کے جنت کی بہار
جلوۂ حورو شاں ہوش ربا ہے ہر سو

تازگی ہے رخِ تاباں کی فزوں تر گل سے
بلبلیں دل میں پریشان ہیں اور بے قابو

خوبرویان چمن پر ہے غضب کا جوبن
کیا عجب ان پہ فرشتے بھی ہوئے ہوں لٹو

ایسی خالق نے بنائی ہیں فسوں گر آنکھیں
جس سے مل جائے نظر ہوتا ہے اس پر جادو

سنتے آئے ہیں بہت وعظ میں حوروں کا بیاں
ہو بہو ہیں یہ وہی فرق نہیں ہے سر مو

حسن کی شان وہی ناز و ادا بھی ہیں وہی
وہی رخ ہیں وہی آنکھیں ہیں وہی ہیں گیسو

بے وفائی ہے مگر اہل زمیں کا شیوہ
جس کو تم دوست بناؤ گے وہ نکلے گا عدو

تم سمجھتے ہو جسے حسن بڑا دھوکا ہے
اس نے لاکھوں کو رلائے ہیں لہو کے آنسو

جنوری سنہ ۱۴ء

گرانی اور افلاس

کبھی روتے ہیں قسمت کو کبھی ہم اس زمانہ کو
کہ انکم ٹکس بھی ہے اور نہیں ہے گھر میں کھانے کو

یہ نیرنگ زمانہ ہے گراں ہے ہم کو ارزانی
پریشاں رہتی ہے دنیا گرانی کے ستانے کو

ٹکٹ کے نرخ سے لیلیٰ و مجنوں دونوں نالاں ہیں
سکھائے ہیں ستم کس نے خدایا ڈاک خانے کو

جوابی کارڈ جو مجنوں کو دو پیسے میں ملتا تھا
اسے اب ڈاکخانہ دے رہا ہے ڈیڑھ آنے کو

کوئی گوشہ نہیں ہے باغ کا صیاد سے مخفی
نہیں ملتی ہے جائے امن اس میں آشیانے کو

نہیں ہے آج عالم میں کوئی اخلاص کا خواہاں
کہاں جائے محبت کرنے والا دل لگانے کو

نظر آتے نہیں آثار اچھے پھر بھی اے حافظ
ابھی کیا اس سے بدتر وقت بھی باقی ہے آنے کو

مارچ ۳۳ء

قومی چندے

دیکھو فلاح قوم کا تم عزم جب کرو
ہردم زباں سے ذکر یہی روز و شب کرو

چندے کی اک کتاب بھی رکھو تم اپنے ساتھ
اس کام میں ڈرو نہ کسی کا ادب کرو

دینے میں کوئی عذر کرے اس کی مت سنو
قومی ضروریات کا شور و شغب کرو

ہردم زباں سے چست رہو اور عمل میں سست
دنیا کے اور کام جو پیش آئیں سب کرو

ہرگز نہ دو کسی کو حساب وصول و خرچ
پہلے کبھی ہوا ہے نہ یہ کام اب کرو

اوروں کو درد قوم سناتے رہو مدام
اپنے مکاں میں شوق سے بزم طرب کرو

روز حساب ایک مقرر ازل سے ہے
یہ کام یاں فضول ہے کیوں بے سبب کرو

سب سے بڑی ہے قوم کی خدمت یہ آجکل
دن رات اسکے نام سے چندہ طلب کرو

مئی ۱۹۳۶ء

رنگِ زمانہ

بڑی قربانیوں سے ہم نے پایا تنگدستی کو
ہمارے ساتھ الفت ہو گئی ہے فاقہ مستی کو

کہاں ہم اور کہاں تحصیل علم و فن بصد محنت
ہمیشہ دیتے ہیں ترجیح ہم چستی پہ سستی کو

کبھی جوشِ عمل آیا تو پیغامِ اجل سمجھو
کہ موجیں فیوز[1] کر دیتی ہیں فوراً تارِ ہستی کو

ہر اک کی کامرانی منحصر ہے اسکی کوشش پر
مگر ہم ڈھونڈتے ہیں دوسروں کی سرپرستی کو

ہر اک کرتا ہے قائم حق یہاں مقدارِ قوت سے
بڑی آفات کا ہے سامنا کمزور ہستی کو

یہ مذہب کا کرم تھا بت پرستی چھوڑ دی ہم نے
نہ چھوڑا آج تک ہم نے مگر صورت پرستی کو

خجل ہو جائیں اپنے دل میں چنگیز و ہلاکو تک
جو دیکھیں اس زمانہ میں فلک کی چیرہ دستی کو

وہ سامانِ فنا ہے ہر طرف تیار عالم میں
شراروں سے اماں ہو گی نہ جنگل کو نہ بستی کو

ہماری زیست کے اسباب ہونگے مرگ کا باعث
ہوائیں زہر ہو گا دم فنا کر دے گا ہستی کو

مکاں کا عکس دریائے فنا میں یہ بتاتا ہے
بلندی کے برابر ہی سمجھ لو اس کی پستی کو

حیاتِ انساں کی حافظ ہو گئی بے قدر و قیمت شے
رکھا پیشِ نظر یورپ نے جب سے زر پرستی کو

مارچ سنہ ۳۹ء

[1] بجلی کے تار کے جل جانے کو انگریزی میں فیوز کہتے ہیں۔

ہندی سیاسی جدوجہد

پیدل کا سڑک پر حق موٹر نے نہیں مانا
اور ووٹ کی قیمت کو ووٹر نے نہیں جانا

رفتارِ ترقی کے انداز کچھ ایسے ہیں
رہ جائے گا دنیا کی تاریخ میں افسانہ

تفریق ہی یاروں میں خوبی ہے الکشن کی
لوگوں کو اکھڑنا ہے بڑنا و شریفانہ

سرمستیِ مے کش ہے اب دشمنِ مے نوشی
رندوں کی چڑھائی سے خطرہ میں ہے میخانہ

پرہیز کے حامی کو مل جائے اگر بوتل
ساغر کی ضرورت ہے نے حاجتِ پیمانہ

گو ہاتھ میں چرخا ہے طالب ہے حکومت کا
صورت ہے فقیرانہ اور حوصلہ شاہانہ

ہے شوقِ گرفتاری طرفہ ہے یہ آزادی
دس بیس حراست میں خود پڑتے ہیں روزانہ

پھولوں کا نہیں ارماں غنچے کی نہیں جویاں
بلبل کو ہے اب یکساں ہو باغ کہ ویرانہ

ہے زیرِ فلک اس کی پرواز بلندی پر
اب شمع سے پروانہ ہے بزم میں بیگانہ

بے جرم کئی عاقل خود قید میں جاتے ہیں
اب کون ہے فرزانہ کس کو کہیں دیوانہ

شیشہ کے مکانوں پر اللہ کا سایہ ہے
پتھر کا نشانہ ہے مزدور کا کاشانہ

فروری ۱۹۴۱ء

تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کے مشاغل

آرام میں ہوا ہے اضافہ ٹبن کے ساتھ
بہتر ہے شیخ پھر بھی رہے گر رسن کے ساتھ

تنہائی ناگوار ہے گھر میں بوقت شام
جا کر کلب میں رہتے ہیں اک انجمن کے ساتھ

علمی مناظروں میں ہے ان کی زبان بند
ہاں خوب تاش کھیلتے ہیں برہمن کے ساتھ

تعلیم پا کے ہو گئے سب سے کنارہ کش
رہتا نہیں ہما کبھی زاغ و زغن کے ساتھ

تہذیب نو کے ساتھ ہیں کچھ شوق بھی نئے
ٹاکیز روز جاتے ہیں اک سیم تن کے ساتھ

وقت خرام سینٹ[۱] و لونڈر ہیں مشکبار
چلتی ہے اک شمیم بھی اس گلبدن کے ساتھ

مانا مناسبت ہے بڑی چیز دہر میں
گندم کی کاشت ہو نہیں سکتی ہے سن کیساتھ

افسوس تو یہ ہے کہ محبت نہیں انہیں
اپنے وطن کے ساتھ نہ اہل وطن کے ساتھ

دنیا میں حسن زن ہے بڑا دام دلفریب
دانا ہیں وہ جو دیکھتے ہیں حسن ظن کے ساتھ

ستمبر ۳۳ء

[۱] خوشبو۔

مسلمانوں کے اختلافات باہمی

لڑا ہو ہم کو باہم ہے یہ توفیق عمل باقی
مثل سچ ہے کہ رسی جل گئی پھر بھی ہے بل باقی

کہیں گی کیا ہمارے عالموں کو دیکھ کر حوریں
اگر جنت میں بھی انمیں رہا جنگ و جدل باقی

اثاثہ رفتہ رفتہ شیخ نے کھویا عدالت میں
ہے بستہ کاغذوں کا صرف اب زیر بغل باقی

بہت کچھ ہو چکے برباد اپنی فرقہ بندی سے
مگر اب بھی دماغوں میں وہی ہے کچھ خلل باقی

نہ تھا کافی ہمارے حوصلوں کو صفحۂ عالم
رہا ہم سے نہ دنیا میں کوئی دشت و جبل باقی

محبت اور رواداری ہماری جب ہوئی رخصت
گئی شان مغل اور رہ گیا نام مغل باقی

کرو بہر خدا اصلاح اور تکمیل کی کوشش
نہ چھوڑو آج پھر باقی رہا جو کام کل باقی

گزاری زندگی اسلاف نے کس شان و شوکت سے
ہمیں دنیا میں کیوں چھوڑا یہ حال مبتذل باقی

ہوا جب سے یہ دل بیت الحزن سکتہ کی حالت ہے
رہے کیا خاک حافظ اسمیں اب شوق غزل باقی

مئی ۳۳ء

ضرورت حوصلہ افزائی

سرمہ آنکھوں میں ہے پیری بھی ہے رعنائی بھی
زہد و تقویٰ بھی ہے کچھ شوق خود آرائی بھی

شیخ کے وعظ میں کیوں جذبۂ تاثیر نہیں
ان کی ہر بات میں مخلوط ہے خود رائی بھی

ہم نے مانا کہ یہ دنیا ہے نہایت مکروہ
اپنے ماحول سے لازم ہے شناسائی بھی

ہوگی پرسش عمل نیک کی ہر بندے سے
جنہیں مسلم ہیں یہودی بھی ہے عیسائی بھی

شیخ کی ریش میں ہے نور خدا کثرت سے
ساتھ مقدار کے لمبائی ہے چوڑائی بھی

سینۂ پاک تصوف سے ہے ہر دم لبریز
اور زباں میں ہے بہت قوت گویائی بھی

برکتیں فضل الٰہی سے ہیں ساری موجود
بس کمی اتنی ہے کچھ چاہیئے دانائی بھی

ساری دنیا تو کرے بام فلک تک پرواز
اور ہمارے لئے معیوب ہے انگڑائی بھی

رہ گیا نام کو مسلم کا ہیولا باقی
کیجئے بہر خدا حوصلہ افزائی بھی

جولائی ۳۶ء

نمک

نمک پر ٹکس بڑھنے سے ہوئی جب کم نمک خواری — نمک کے ساتھ کم ہوتی گئی رسمِ وفاداری

یہ ڈر تھا ٹکس ہو جائے نہ اشکوں پر کہیں قائم — بہت کم کر دیا تھا ہم نے شورِ گریہ و زاری

چھپائی جاتی تھی جنسِ ملاحت ٹکس کے ڈر سے — متاعِ حسن کی کم ہو گئی تھی گرم بازاری

نہ ہوتی بدمزہ شوریدہ سر کی زندگی کیونکر — نمک کے ساتھ غائب تھی حسینوں میں طرحداری

نہ سفاکی تھی آنکھوں میں نہ خونریزی نگاہوں میں — جراحت بے نمک پاشی نہیں شانِ ستمگاری

عبورِ شورِ دریا میں نمک کا لطف باقی تھا — مزا وہ بھی گئی جب سے ہوا ہے حکم سرکاری

ترستے تھے دہانِ زخمِ دل مدت سے لذت کو — بہت کرنی پڑی اشکوں کی ہم کو ناز برداری

پئے تخفیفِ محصولِ نمک شورش ہے پھر برپا — عیاں ہیں بختِ خوابیدہ میں پھر آثارِ بیداری

عجب کیا ہے جو پھر آئے نمک لیلیٰ کے چہرہ پر — جو پھر ہو دیدۂ مجنوں سے دریائے نمک جاری

الٹ دے اب نمکداں اس دلِ مجروح پر یارب — مزا آ جائے گر بارش کے بدلے ہو نمک باری

مارچ ۱۹۳۶ء

سنیما اور ٹاکیز

جناب شیخ کے سینہ میں ہیں جذبات روحانی / سنیما اور ٹاکی کی ہے ہر جانب فراوانی

کہا اک رند نے انکی مذمت شیخ سے سن کر / معاذ اللہ باتیں ہوش میں کرتے ہو دیوانی

نہ دیکھیں آپ جبتک یہ تماشے اپنی آنکھوں سے / مذمت انکی کرنا آپ کی ہے عین نادانی

ستایا ہی بہت ہر ایک کو فکر معیشت نے / جدھر دیکھو نظر آتے ہیں اسباب پریشانی

ضروری ہیں بہت دنیا میں یہ تفریح کے ساماں / انھیں سے رفع ہو جاتی ہیں کچھ افکار انسانی

دلوں میں نوجوانوں کے بھی قومی درد ہوتا ہے / جنھیں سمجھے ہوئے ہیں آپ اک غول بیابانی

نظر اچھے نتائج ڈھونڈھ لیتی ہے تماشوں میں / کبھی لہو و لعب میں بھی ہے اک انداز نورانی

تماشا گاہ دنیا کو بنایا اہل یورپ نے / مناظر دیکھ کر ہر ایک کو ہوتی ہے حیرانی

اشاعت ریڈیو سے وعظ کی اغیار کرتے ہیں / پیام پوپ کانوں سے یہاں سنتے ہیں نصرانی

جہاں میں ہر طرف ہے دھوم ایجاد و ترقی کی / مگر مسلم کے گھر میں ہے اداسی اور ویرانی

ہوئے ہیں انکے دل ہیچ چھائی ہے افسردگی ہر سو / طبیعت ایسی مردہ ہے کہ جدت ہے نہ جولانی

غضب ہے آپ نے تفریح کو لہو و لعب سمجھا / ہمارے واسطے دشوار ہے ہر ایک آسانی

خدا کے واسطے ایسی کوئی صورت نکل آئے / یہ نغمہ آپ کی برکت سے سب ہو جائے حقانی

صلاح الدین نے یورپ کے حملے کس طرح روکے / پلونا میں ہوئی ہے کس قدر جانوں کی قربانی

کبھی خالد کا جلوہ ہو کبھی طارق کا ہنگامہ
کبھی بغداد کی آنکھوں سے دیکھیں شان سلطانی

کبھی انکا بھی نقشہ جا کے دیکھیں ان تماشوں میں
جو دنیا میں ہوئے تہذیب اور سائنس کی بانی

سلف کے کارناموں کا تماشہ درس عبرت ہے
بہت ہوتی ہے سینما میں خجالت اور پشیمانی

عمل سے ہے فضیلت ورنہ ہم حافظ کہیں کس کو
سناتا ہے گراموفون بھی آیات قرآنی

دسمبر ۳۲ء

حقیقت حال

جناب شیخ نے مسلم کی بیماری نہ پہچانی
شکم خالی ہے اور وہ دے رہے ہیں قوت روحانی

بہت آساں ہے بسم اللہ خوان پر تکلف پر
کبھی اتنا نہ پوچھا کس طرح ہوتی ہے مہمانی

بڑی تکلیف سے دن ان غریبوں کے گزرتے ہیں
ہے گھر گھر فاقہ اور نان شبینہ کی پریشانی

گزشتہ کارناموں سے وقار اپنا جماتے ہیں
نہیں جاتی مگر موجودہ حالت کی پشیمانی

تعجب ہے کہ غائب ہو گئی ہر دنیوی خوبی
خدا جانے کہاں جاتے رہے اوصاف روحانی

معاذ اللہ کے پردے میں ناجائز بھی جائز ہے
زباں پر توبہ ہے دل کر رہا ہے فتنہ سامانی

ہوا و بحر و بر میں سر بکف ہیں لوگ ہر جانب
انھیں کافی ہے بس عید الضحیٰ کی ایک قربانی

نکما کر گئی اس طرح بے کاری کی بیماری
طبیعت میں نہ جدت ہی رہی باقی نہ جولانی

بڑی رونق پہ ہیں بازار لیکن کوئی شے ان میں
نہ مصری ہے نہ ترکی ہے نہ ایرانی نہ افغانی

مصلے ریشمی و مخملی آتے ہیں اٹلی سے
بناتے ہیں مسلماں کے لیے تسبیح جاپانی

ہمارا فرض یہ ہے خانقاہوں کی بنا ڈالیں
ثواب اور نقد لینے کو ہیں جاپانی و نصرانی

ضرورت کارخانوں کی ہے ان بیکار لوگوں کو
انھیں کافی نہیں ہے اب فقط تلقین نورانی

نہ دیکھے گرد جو اپنے ہے وہ بھی قسم نابینا
کہ ہے ماحول سے بے التفاتی عین نادانی

نظر میں حضرتِ واعظ کے ہر جدت ہے اک بدعت
مکاں میں بیٹھ کر کرتے ہیں مسلم مگس رانی

اُدھر اقوام یورپ کی ترقی کا یہ عالم ہے
یہاں سن لیجئے آواز لندن کی بہ آسانی

اپریل سنہ ۴۰ء

مسلم اوقاف

معاذ اللہ یہ تعمیل ہے اب حکم قرآں کی — کہ بالا تر جگہ ہے طاق نسیاں سے بھی ایماں کی

کوئی دیکھے تو عبرت خیز ہے اوقاف کی حالت — مثالیں ہیں جناب شیخ کے زہد درخشاں کی

نہیں ہے انکو کوئی خوف اس دنیا میں پرسش کا — خدا والے بھلا پروا کب کرتے ہیں انساں کی

یہ اطمینان توشہ آخرت کا جمع کرتے ہیں — نہیں تکلیف اس میدان میں ہے خار مغیلاں کی

وہی ہیں باغباں انکے وہی کرتے ہیں گل چینی — انھیں کے واسطے موقوف ہیں فصلیں گلستاں کی

انھیں اوقاف سے کرتے ہیں زاد راہ کچھ حاصل — کہ خدمت کیا کرینگے جا کے خالی ہاتھ رضواں کی

اگر جبریل نے مانگا تو ان کے نذر کیا ہوگا — خوشی حاصل نہ ہوگی بے دیے جنت کے درباں کی

اگر کیسہ رہا خالی بڑی شرمندگی ہوگی — وہاں فرمائشیں ہونے لگیں گر حور و غلماں کی

مجاور لوٹنے کو گھیر لیتے ہیں یہاں ہر جا — فرشتے بھی کریں گے دھجیاں جیب و گریباں کی

گرہ میں کچھ نہ ہو اور جائیں جو انکے جمگھٹے میں — سمجھتے ہیں نہیں ہے خیریت پھر انکے داماں کی

یہ مولانا نہایت عاقبت اندیش ہیں حافظ — ہمیشہ فکر رہتی ہے انھیں جنت کے ساماں کی

فروری ۳۵ء

ہندوستان کی مستقبل زبان

خبر آئی کہ ٹاؤن ہال میں اک عام جلسہ ہے
زباں کا تصفیہ ہے ہر جماعت اس میں آئے گی

ہوئے ہیں جمع دہلی لکھنؤ والے پئے شرکت
بھروسہ ہے جنھیں ہندی پہ اردو فوق پائے گی

بڑی تعداد میں آئے ہیں نامی پنڈت اور بابو
زباں جنکی فصاحت کے بڑے دم خم دکھائے گی

کوئی ہندی کا حامی ہے کوئی اردو کا شیدا ہے
بقدرِ خواہش اپنا زور ہر ہستی لگائے گی

گئے ہم بھی پئے تفریحِ خاطر یہ بیاں سن کر
کہا دل نے چلو یاں گھر میں تنہائی ستائے گی

زباں کا مسئلہ ہو جائے طے ہر اک کی خواہش تھی
بھروسہ تھا یہ کوشش رائیگاں ہرگز نہ جائے گی

بنایا صدرِ جلسہ شوق سے اک بابو صاحب کو
بڑی امید تھی اب تصفیہ یہ بات پائے گی

دکھائے دونوں جانب نے جو نظم و نثر کے جوہر
خوشی لا انتہا تھی ایسی ساعت پھر نہ آئے گی

طوالت بڑھ گئی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا
بڑی تشویش تھی کب ختم پہ یہ بحث آئے گی

ہوئی تجویز سب کی رائے لیں گے بعد موسیقی
نصیبن کو بلا بھیجو وہ ان نظموں کو گائے گی

بلایا صدر نے اپنا ملازم بھیج کر فوراً
گئی موٹر کہ اس کو ساتھ لے کر جلد آئے گی

ملازم نے مگر آ کر خبر دی عام جلسے میں
کہ اس کو دردِ سر ہے اس سبب سے وہ نہ آئے گی

کسی نے کچھ کہا اپنی زباں میں کوئی کچھ بولا
نہ تھا وہم و گماں تک شاعری یہ رنگ لائے گی

جنابِ صدر کو غصہ جو آیا بولے جھنجھلا کر
"نصیبن کیوں نہیں آیا ہے اس کی باپ آئے گی"

زباں کا ہو گیا معلوم اس جملہ سے مستقبل
ہمارے ملک میں بھاشا یہی اب بولی جائے گی

اگست ۳۹ء

نئی روشنی کا ارتقا

طریق کتخدائی میں بھی آیا رنگ آزادی
رسومات قدیمہ کی ہوتی ہے ایسی بربادی

نئی تہذیب نے یہ ارتقا اپنا دکھایا ہے
زمین و آسماں کے درمیاں ہونے لگی شادی

انوکھی بات کرنے میں مزا آتا ہے لوگوں کو
ہے تہذیب قدیمہ کا یہاں ہر نقش فریادی

فضائے آسماں میں آج ہوتی ہے خموشی سے
وہ شادی جس کو کہتے آئے ہیں سب خانہ آبادی

فرشتے آسماں سے آئیں گے شاید گواہی کو
عجب کیا ہے جو ہوں قاضی بھی اک دن انکی عادی

فضائے آسماں میں دیکھتے ہیں ہم جو طیارے
نئی دنیا کا شاید رکھ رہے ہیں سنگ بنیادی

تماشے ہوں گے بالائے زمیں زیر فلک دلکش
بسے گی ایک دن اوپر معلق ایک آبادی

پئے تفریح خاطر لوگ جائیں گے ایر شپ[۱] میں
خبر آئے گی وائرلیس[۲] سے واں ہوگئی شادی

رہی یہ آرزو برسوں دلہن پوتے کی لائیں گے
کرے کیا رہ گئی روتی ہوئی ارماں بھری دادی

ستمبر ۱۹۳۵ء

۱؎ ہوائی جہاز ۲؎ ریڈیو۔

ہندوستان کی سیاسی رفتار

نئے انداز سے گاندھی نے کی تحریک آزادی
کہ لیلیٰ کے بدن پر بھی نظر آنے لگی کھادی

دباتے ہی سوئچ دنیا گئی دو سو برس پیچھے
بدیشی مال کی ہونے لگی ہر سمت بربادی

بڑی دشواریاں تھیں میکدوں و مے فروشونکو
مکائیں تھی مگر لوگونکو مے نوشی کی آزادی

ہوئی تلقین لڑکوں کو مدارس چھوڑ دیں فوراً
بہت مرغوب تھی جو فطرتاً وہ راہ بتلادی

وکیلوں نے بھی کہنے کو پریکٹس چھوڑ دی اپنی
علم بردار بن کر ہو گئے سب قوم کے ہادی

نمک سازی ہوئی کچھ دن سمندر کے کنارہ پر
کھجوروں کے درختوں سے ہوا خالی ہر اک وادی

ہوئے بازار ویراں حکم جب ہڑتال کا آیا
پڑھائی بن کے قیدی جیل کی لوگوں نے آبادی

تعجب تھا نظر آنے لگے ملبوس کھادی میں
رہے جو زندگی بھر ململ اور تن زیب کے عادی

مگر نیرے کا پینا آشرم میں پھر بھی تھا جائز
سودیشی کو اجازت تھی بدیشی سے کریں شادی

تحیر خیز ایجاد اور ترقی کے زمانہ میں
ہمیں کافی ہے چرخہ ہاتھ میں اور جسم پر کھادی

نہ نکلیں گے ہمارے کام کاغذ کے پتنگوں سے
فضائے آسماں میں آج طیارے ہیں فولادی

سمجھ میں کچھ نہ آیا فلسفہ گاندھی کا اے حافظ
ہزاروں بات جائز ہیں اگر ہو جسم پر کھادی

مارچ ۳۹ء

[1] وہ بٹن جس سے بجلی کو حرکت دی جاتی ہے [2] کھجور کے درخت کا عرق جو علی الصباح مفرح کے طور پر پیتے ہیں۔

اس تلاطم سے کرو بہرِ خدا فکرِ عبور
موجیں بیٹھے ہوئے گنتے نہ رہو دریا کی

نوجوانو تمہیں کچھ فکر نہیں دنیا کی — یہ سبب ہے کہ زمانہ ہے تمہارا شاکی

وقف ہیں کھیل تماشوں پہ تمہارے ایّام — کبھی کرکٹ کبھی فٹ بال کبھی ہے ہاکی

چھوڑ دو قصۂ ماضی کو عبث ہے غم و رنج — صورتِ حال نظر آتی ہے کیا فردا کی

دیکھ کر ایروپلین مرد ہوئے باختہ ہوش — عورتیں کرتی ہیں پرواز بصد بے باکی

آگئی روح تصاویر میں گویائی کے ساتھ — ہے مسیحا سے بھی اعجاز میں بڑھ کر ٹاکی

ڈاکہ ڈالا ہے عدالت میں انھیں لوگوں نے — کر کے حاصل جو یہاں آئے ہیں ڈگری لا کی

ہیں حقیقت میں وہی لوگ جرائم پیشہ — نظر آتے ہیں جو پہنے ہوئے وردی خاکی

جامۂ شیخ پہ گر جائے اگر قطرۂ مے — اس سے ہوتی نہیں کپڑوں میں کوئی ناپاکی

مانگنے کے لئے ہر روز نیا حیلہ ہے — لکچر اور وعظ کے پردہ میں بھی ہے چالاکی

مہ جبینوں کی ہے اسٹیج پہ دلچسپ بہار — حسن کو کوئی ضرورت نہ رہی اخفا کی

خطرۂ سخت ہے زاہد کے لئے وقتِ خرام — کہیں شوخی و شرارت ہے کہیں سفاکی

اس تلاطم سے کرو بہرِ خدا فکرِ عبور — موجیں بیٹھے ہوئے گنتے نہ رہو دریا کی

جنوری ۲۷ء

تصویر صبر

کوئی خاتون جو تعلیم سے ہشیار ہوئی
واعظ خام کی نظروں میں خطاوار ہوئی

بیشتر حلقۂ مسلم ہے مخالف اُس کا
اس کی تعلیم کی دنیا نہ روادار ہوئی

موجبِ ننگ ہوئی اسکے لئے زینتِ علم
اور مردوں کے لئے طرۂ دستار ہوئی

کبھی اخبار میں اس نے جو مضامیں لکھے
اس کی حق بات بھی لوگوں کو گراں بار ہوئی

اپنے شوہر کے لئے زیست فنا کی اس نے
راحت و رنج میں وہ مونس و غمخوار ہوئی

اس کی میخواری و ذلت کے اٹھائے صدمے
دل شکستہ ہوئی غمگیں ہوئی ناچار ہوئی

اس کے شوہر کو بداطوار ہر اک نے دیکھا
زندگی اپنے مکاں میں اسے دشوار ہوئی

وہ تھی پردے میں مقید یہ رہے خود آزاد
کبھی پوچھا نہ پلٹ کر بھی جو بیمار ہوئی

صبر کے ساتھ سہے اس نے مصائب یہ تمام
اس کی فریاد بھی لوگوں کو دل آزار ہوئی

شیخ اخلاق کی اصلاح کو گرجے برسے
طعن و تشنیع کی جب وعظ میں بوچھار ہوئی

یہی انصاف ہے شوہر کو نہ اک لفظ کہا
باتیں سننے کے لئے بھی وہی مردار ہوئی

اکتوبر ۳۵ء

آرزوئے جنّت اور شانِ عمل

بنے تھیٹر میں جا کے اکثر تمہاری ہمت پہ آفریں ہے
اٹھا کے دیکھے کوئی جو شجرہ تو جدامجد سبکتگیں ہے
خراب و خستہ ہے حال اپنا نہیں ہمیں کچھ ملال اس کا
بہشت میراث ہے ہماری یہ بات ہر اک کے دل نشیں ہے
اگر ہوں اعمال نیک و صالح فلاح دارین ہوگی حاصل
ملے گی جنّت بشرط کوشش مگر ذریعہ یہی زمیں ہے
ہماری گاڑی نہ دیکھے سگنل نہ لین کلیر کی لے خبر کچھ
اسی بھروسہ پہ چل رہی ہے کہ ٹرمنس[1] جنّت بریں ہے
غریب بیوی اور اپنے بچوں کو دیکھتے ہیں مصیبتوں میں
بڑا تعجب ہے شیخ صاحب کو فکر اس کا ذرا نہیں ہے
اگرچہ حالت بہت زبوں ہے مگر ہے ہمت بلند ان کی
یہاں نہیں گھر میں ایک ماما مگر وہاں حور کا یقیں ہے
بہشت کی تم کو آرزو ہے تو ڈھنگ بھی کچھ درست کر لو
کہیں گی کیا اپنے دل میں حوریں کہ قصرِ جنّت کا یہ مکیں ہے

---

[1] ریلوے کا آخری مقام یا انتہائی اسٹیشن۔

یہ صورتیں درد سے ہیں خالی مشین کی طرح چل رہی ہیں
گھڑی میں کھٹکا وہی ہے لیکن جو اس میں ڈھونڈھو تو دل نہیں ہے

شگفتگی نام کو نہیں ہے دماغ مسلم پڑا ہے خالی
بہار ہر سو ہے باغ عالم میں خشک و ویراں یہی زمیں ہے

ہوئے قدامت پسند ایسے کہ ایک جا ہے قیام ان کا
تمام دنیا چلی ہے آگے یہ قوم تھی جس جگہہ وہیں ہے

نہ کوئی جدت نہ شوق و رغبت جمود ایسا ہوا ہے طاری
یہاں ہر اک کو ہے فکر اپنی فقط ہے مسلم جسے نہیں ہے

دماغ مختل قوی معطل نہ حوصلہ ہے نہ جوش ہمت
کرے گی کیا ایسی قوم جس کو نہ فکر دنیا نہ پاس دیں ہے

دلوں کی حالت بہت زبوں ہے نہ انمیں اخلاص اور نہ الفت
ہے قلب ان کا حسد کا مخزن بھرا ہوا جس میں بغض و کیں ہے

نفاق جاری ہے اب بھی باہم ہزار برباد ہو چکے ہیں
یہی رہی گر ہماری حالت فنا کی ساعت بہت قریں ہے

زمانہ ناساز و بخت برگشتہ ہے خدا ہی ہمارا حافظ
فلک ہے بالائے سر مخالف زمیں بھی پوڈر کا میگزیں[۱] ہے

نومبر ۳۴ء

[۱] مخزن۔

تفریح و تماشا

بڑی مشکل میں ہوں یارب اٹھاؤں ناز کس کس کے
کہیں لندن کا نقشہ ہے کہیں نظارے پیرس کے

الٰہی خیر کرنا آب و آتش جمع ہیں یک جا
ہے مسٹر مضطرب اور دلربا انداز ہیں مس کے

سنبھل کر پارک میں جانا وہاں پریوں کا سایہ ہے
کہیں سرو رواں ہیں اور کہیں غمزے ہیں نرگس کے

دلوں میں ان حسینوں کے ہے کیوں فولاد کی سختی
الٰہی کیا بنے تھے کارخانہ میں یہ راجرس[1] کے

اصلی ترقی

مرے احباب کرتے ہیں بہت نظموں کی فرمائش
مگر فرصت نہیں ملتی مجھے جھگڑوں سے آفس کے

کبھی اے نوجوانو ملک کی حالت ذرا دیکھو
بہت سیکھے مدارس میں مسائل طب و یالس کے

نہ سنبھلے گا کبھی اپنا خود آرائی سے مستقبل
فقط تحصیل فیشن کرتے ہیں لڑکے مدارس کے

ارادوں میں نہ ہو وسعت تو پھر کیسے ترقی ہو
ہمارے ملک کے بی اے ہیں سب دیدہ سروس کے

غضب یہ ہے نہیں ہے فکر ذاتی سے کوئی خالی
وکیل اور ڈاکٹر بھی غم میں رہتے ہیں پریکٹس کے

ذرا یورپ کی دیکھو کیمیائے صنعت و حرفت
نہ ہرگز خواب میں بھی یہ کبھی آیا ہوس کے

گھڑی سے آہنی بڑھ جائے گی قیمت یہ چاندی سے
زیادہ ہونگے وزن چرم سے بھی دام گیٹس کے

فقط ہونا ادیب و منطقی کیا کام آئے گا
توجہ دستکاری پہ ہے لازم ساتھ میں اس کے

یہ دونوں روشنی طبع کو ایسے ضروری ہیں
ہیں جیسے لازم و ملزوم ہر دو جزو ماچس کے

اگست ۳۳ء

[1] مشہور کارخانہ جس میں فولادی اشیا بنائی جاتی ہیں۔

ترقی معکوس

نئی تہذیب کی کچھ ایسی ہوا آئی ہے
جس کو دیکھو وہ نئے رنگ کا شیدائی ہے

ہم سمجھتے تھے کہ تعلیم سے ہوگی اصلاح
نوجوانوں کو فقط شوقِ خود آرائی ہے

بوٹ اور سوٹ کی تحصیل ہوئی مقصدِ زیست
ماحصل آپ کی تعلیم کا نکٹائی ہے

ان کے سر میں جو سما جائے وہی ہے افضل
جو یہ کہہ جائیں زباں سے وہی دانائی ہے

دوسرا کوئی نہیں ان سے زیادہ زیرک
ہے تعجب کہ شریعت میں بھی خودرائی ہے

غلطی ہے یہ اکابر کی ہوئے خود گمراہ
اور ترقی کی ہمیں راہ یہ بتلائی ہے

نوجواں کیسے بھلا سیر و تماشہ سے بچیں
پیرِ فرتوت بھی ٹاکیز کا سودائی ہے

پردہ اسٹیج سے اٹھا ہے تماشہ ہے عجیب
ایکٹرس بن کے حیا رقص کناں آئی ہے

دم بخود بیٹھے ہیں خاموش جنابِ واعظ
اک تماشا ہے تصاویر میں گویائی ہے

عالموں کو نہ ہوئی جنگ و جدل سے فرصت
نہ ملیں گے کبھی آپس میں قسم کھائی ہے

مولوی دو ہوں اکٹھے تو ہے باہم تکفیر
جمع ہوں رند تو آپس میں ہر اک بھائی ہے

حال یہ دیکھتی ہیں بامِ فلک سے حوریں
چشمِ انجم بھی تحیّر سے تماشائی ہے

نوجواں ایسے ہوئے بادۂ نو کے مدہوش
اولڈ فیشن ہیں انھیں ذلت و رسوائی ہے

حسن فیشن ہی یہ اب نیم برہنہ ہو بدن
کس ادا سے نئی تہذیب بھی اترائی ہے

اگست ۳۲ء

مے نوشی کا دور دورہ

دل ہمیں آفت رسیدہ چاہیئے
آتشِ غم سے تپیدہ چاہیئے

دخت رز کی پاسبانی کے لئے
شیخ مرد سن رسیدہ چاہیئے

خم کے اندر بھی رہے ہر دم نظر
پشت بھی ان کی خمیدہ چاہیئے

ہے غنیمت شیخ ان رندوں کے ساتھ
ایک مرد برگزیدہ چاہیئے

مے ہے دنیا میں دوائے ہر مرض
شرط ہے لیکن عقیدہ چاہیئے

شیخ کی عادت ہوئی اتنی خراب
ان کو زمزم بھی کشیدہ چاہیئے

آرزو یہ ہے مے کہنہ کے ساتھ
میوۂ تر نو رسیدہ چاہیئے

یوں تو سب کا جل لگاتے ہیں مگر
دلبری کرنے کو دیدہ چاہیئے

جولائی سنہ ۱۴ء

قومی چندے

منفعت بخش کچھ ایسے ہوئے قومی چندے
رکھ دئے لوگوں نے تہہ کرکے پرانے دھندے

دام انساں کیلئے بن گئے وعظ و لکچر
ہر طرف جیسے پرندوں کے لئے ہیں پھندے

چند باتوں میں یہ کر لیتے ہیں سب کو ہموار
ایسے چلتے ہیں لفاریے کے گویا رندے

ان کا شہری سے تقاضا ہے کہ دیجے دو مکاں
کھیت والے سے یہ کہتے ہیں کہ دو خرمن دے

درد قومی کی اشاعت نہیں جاتی بیکار
آنکھیں کھل جائیں گی کر لو یہ تجارت چندے

شرط یہ ہے کہ نہ دینا کبھی چندوں کا حساب
صرف دو سیر بتانا جو کوئی دو من دے

کس کی ہمت ہے بیباک کبھی تم سے مانگے
پانچ کی یاد رکھو کوئی اگر پچپن دے

قوم کا درد ہے جن کو وہ ہیں معدودے چند
بیشتر ان میں ہیں پوشیدہ غرض کے بندے

آمد و خرچ کا لوگوں کو اگر دیں یہ حساب
کون ایسا ہے نہ دے شوق سے ان کو چندے

جنوری سنہ ۳۴ء

انسدادِ مے نوشی کا حقیقی رنگ

پکٹنگ[1] کرنے کو مے خانوں کا جب والنیٹر نکلے
مکاں میں پہلے خود پی اور پھر بیرون در نکلے

بدستِ دایہ گھٹی میں ہوئی تھی مے کی آمیزش
مزاجوں سے یکایک آج وہ کیسے اثر نکلے

حقیقت میں فریبِ سخت ہے یہ زہد آئینی
انھیں انکار ہے اور گھر سے شیشے سر بسر نکلے

ہوا ہے حکم سرکاری کے باعث خشک ہر قصبہ
مگر یہ گھر سے جب نکلے تو اکثر ان میں تر نکلے

کبھی خوش قسمتی سے ہو گئی انکی کہیں دعوت
تو پھر کیا پوچھتے ہو اس مکاں سے تر بتر نکلے

بچاتے ہیں جو سب کو مے خوری سے ناخدا بنکر
کبھی ڈھونڈھا تو وہ خود غرق گھر میں تا کمر نکلے

دیا لوگوں کو جلسے میں سبق پرہیزگاری کا
مگر تنہائی میں مے خوار کے خود ہم سفر نکلے

بہت پرجوش لیڈر کی ہوئیں جلسے میں تقریریں
مگر خود گھر کی حالت سے نہایت بے خبر نکلے

علم بردار ہو کر جب درِ مے خانہ پر آئے
تعجب ہو گیا اندر سے جب نورِ نظر نکلے

فروری ۴۰ء

[1] راستہ بند کرنا اور لوگوں کو روکنا۔

رنگِ زمانہ

جاتے ہیں کسے واعظ اس دور میں سمجھانے
کوئی نہ سنے ان کی کوئی نہ کہا مانے

پوچھو نہ مساجد کی اللہ ہی اللہ ہے
رونق ہے تھیٹر میں آباد ہیں مے خانے

سر جھکتے ہیں لوگوں کے سائنس کی باتوں پر
پہلے جو عقائد تھے اب ہو گئے افسانے

ہو یاد انھیں از بر جغرافیہ دنیا کا
ہیں اپنی روایت سے ہر وقت یہ بیگانے

بازار کی سڑکوں پر ہے حسن کی طغیانی
بن جاتی ہیں دوکانیں ہر شام پری خانے

ٹاکیز کا دروازہ ہے ان کے لئے جنت
بجلی کے چراغوں کے یہ بن گئے پروانے

اب عشق و محبت کے انداز مہذب ہیں
مجنوں کی طرح ہر سو پھرتے نہیں دیوانے

زیبائش و فیشن سے لیلیٰ کو لبھاتے ہیں
ہر شام نکلتے ہیں موٹر میں ہوا کھانے

تفریح کے ساماں ہیں فردوس کا نقشہ ہے
یاں چین سے کٹتی ہے آگے کی خدا جانے

جولائی ۳۲ء

رنگ زمانہ

کلب میں ایک مجمع روز وقت شام ہوتا ہے
نہایت لطف سے آپس میں دورِ جام ہوتا ہے

کبھی اے دوستو دنیا کی حالت بھی ذرا دیکھو
بھلا بے اعتنائی سے بھی کوئی کام ہوتا ہے

محبت اور الفت میں بلا کے پڑ گئے رخنے
خدا جانے وفاداری کا کیا انجام ہوتا ہے

عدالت میں پڑھے جاتے ہیں خط لیلیٰ و مجنوں کے
کسی کو غم نہیں ہو راز طشت از بام ہوتا ہے

پولس کو رات دن ہے قیس کی فکر گرفتاری
ادھر لیلیٰ کا ناقہ ٹکس میں نیلام ہوتا ہے

دلوں میں زلزلہ آتا ہے انکم ٹکس کے باعث
جسے ملتا ہے نوٹس لرزہ بر اندام ہوتا ہے

خبر خفیہ پولس کو ظاہر و باطن کی رہتی ہے
ہر اک کے حال کا گویا انھیں الہام ہوتا ہے

اگر ہو جائیں خوش مجرم کو بھی خطرہ نہیں کوئی
وگرنہ بے گنہ بھی موردِ الزام ہوتا ہے

نہیں ترتیب و نشر اب خدمت شناسی میں
کوئی کرتا ہے خدمت اور کسی کا نام ہوتا ہے

حقیقی جن کی خدمت ہے وہی محروم رہتے ہیں
خوشامد کرنے والا قابلِ انعام ہوتا ہے

مناسب ہے کہ اب اپنی زباں تو بند کر حافظ
کہ سچ کہنے سے اکثر آدمی بدنام ہوتا ہے

جنوری سنہ ۳۳ء

بیگم اور بیوی

گزر مسلم کی بیوی کی بہت رو دھو کی ہوتی ہے
وہ دن بھر پان کھاتی ہو مگر قسمت کو روتی ہے

میاں کا بیشتر رہتا ہے خورد و نوش ہوٹل میں
خدا جانے کہاں ان کی بسر اوقات ہوتی ہے

میاں آئیں گے سینما سے لگا ہے انتظار اس کو
وہ تارے گن رہی ہے اور کل مخلوق سوتی ہے

انھیں کا حوصلہ ہے عقد ثانی اور ثالث کا
انھیں کے واسطے رو رو کے بیوی جان کھوتی ہے

انھیں معلوم ہوگی قدر و قیمت اس کی محشر میں
ہر اک آنسو جو اس کی آنکھ سے گرتا ہے موتی ہے

یہ تار اشک جو تم دیکھتے ہو اس کی آنکھوں سے
حقیقت میں قیامت کیلئے موتی پروتی ہے

وطن میں اور بھی بستے ہیں جو ہر وقت شاداں ہیں
سبب یہ ہے کہ بیوی کی مکاں میں قدر ہوتی ہے

زن و شو میں محبت اور الفت ہے بہت باہم
جہاں برتاؤ اچھا ہے وہاں خدمت بھی ہوتی ہے

صفائی اس کے چہرے اور برتن کی ذرا دیکھو
خوشی سے کام خود کرتی ہے گو راجہ کی پوتی ہے

گھڑی کی طرح ہر دم کام میں مصروف ہے بیوی
نہانے کے لئے شوہر کے خود پانی سموتی ہے

یہ حسن انتظام خانہ داری دیکھئے اُس کا
کہ پانی بھر کے لائے اور پھر دھوتی بھی دھوتی ہے

دسمبر سنہ ۴۰ء

گراموفون اور ریکارڈ

لکھی جاتی تھیں کتابیں پہلے آنکھوں کے لئے
ہو رہی ہیں آج کل تیار کانوں کے لئے

لکھ رہا ہے نغمہ ہائے مختلف فونوگراف
رسمِ خط بھی ایک ہے جملہ زبانوں کے لئے

ہے فضیلت کتبۂ گویا کو لوحِ سنگ پر
یادگارِ زندہ ہیں یہ کارناموں کے لئے

بے بہا ہونگے ذخیرے علم و فن کے یہ ریکارڈ
ہیں یہ اک میراث آگے آنیوالوں کے لئے

ایک دن ہوگا کہ ان اوراق سے ہوگی ریسرچ[1]
ہسٹری[2] ہو مستند تحقیق والوں کے لئے

درس اور تدریس کے ہونگے ذریعہ ایک دن
یہ نہ سمجھو فلم ہیں خالی تماشوں کے لئے

ریڈیو کے ساتھ ہوگا فلم اور ٹیلی وژن[3]
سیر ہیں بن جائیں گے پچھلے زمانوں کے لئے

سامنے تصویر ہوگی اور کرے گی خود کلام
اور وہی آواز ہوگی سننے والوں کے لئے

لکچر و پند و نصائح جب سنیں گے بیٹھ کر
پر اثر ہوں گے بہت اللہ والوں کے لئے

شیخ کیوں کرتے نہیں اس نیک پہلو پر نظر
وہ سمجھتے ہیں کہ ہیں ٹاکیز گانوں کے لئے

دسمبر ۳۴ء

[1] تحقیقات [2] تاریخ [3] دور دراز مقامات کی تصاویر نمایاں ہونا۔

ضرورتِ عمل

ناحق مناقشے ہیں ہمارے رقیب سے
بے جا شکایتیں ہیں ہماری نصیب سے

تعلیم ہم نے کی نہ کبھی دل سے اختیار
اتنا کیا نکل گئے اس کے قریب سے

گر قدر چاہتے ہو تو حسنِ عمل دکھاؤ
یہ صاف کہہ رہا ہے زمانہ ادیب سے

سستی و کاہلی کا مرض جس کو ہو گیا
اس کا علاج ہو نہیں سکتا طبیب سے

ماحول پر بھی چاہیئے واعظ کی اک نظر
بے جا نہیں امید یہ مردِ لبیب سے

مقدارِ ریش پر نہیں کچھ انحصارِ زہد
پیمائشِ خرد نہیں ہوتی جریب سے

آرام ڈھونڈھنا ہے بڑا جرم ان دنوں
اللہ ہی بچائے گا دورِ عجیب سے

بلبل نے آ کے باغ میں کی فکرِ آشیاں
اتنا ہی بس قصور ہوا اس غریب سے

خیمے کے فرش کے لئے تنکے کرائے جمع
بے گار میں یہ کام لیا عندلیب سے

محنت کرو صلہ کی توقع رکھو مدام
قسمت کو ضد نہیں ہے امیر و غریب سے

محنت ہے شرط ساتھ ہی رکھو امیدِ فضل
اپنے خدا سے اور خدا کے حبیب سے

اکتوبر ۳۳ء

مسلمانوں کی موجودہ حالت

تلاش کامرانی اس جہاں میں سعی باطل ہے
نہ ہم دنیا کے قابل ہیں نہ دنیا اپنے قابل ہے
حوادث بے اثر ہیں وہ سکونِ قلب حاصل ہے
وجود اپنا جہاں میں اب مثالِ بحر کاہل ہے
عمل کچھ بھی رہے واعظ کی یہ تلقین ہے ہم کو
کہ جب مسلم کا دم اکھڑا تو وہ جنت میں داخل ہے
نہیں ہے منحصر فرزانگی تحصیل و دانش پہ
خردمندی میں عالم سے زیادہ ایک جاہل ہے
ہے روحانی فضیلت تنگدستی اور فاقوں میں
مسلماں کے لئے محنت مشقت سمِ قاتل ہے
کوئی مجذوب بنتا ہے خلاف از عقل باتوں سے
یہ ہر سائل کا دعوےٰ ہے کہ وہ درویش کامل ہے
ردی حالت ہی خانوں سے اپاہج اور مریضوں کی
اسے ملتا ہے کھانا مفت جو محنت کے قابل ہے

بڑی سختی ہے دنیادار پابندِ شریعت ہو
نہیں ہے ہرج گر اللہ والا اس میں غافل ہے

فضیلت اولیں انساں کی یہ ہے خود سے واقف ہو
خصائل نیک ہوں یہ بہترین حسن فضائل ہے

نومبر ۴۸ء

روشِ زمانہ

نکلنا گھر سے اے زاہد نہایت ہوشیاری سے
بہت دشوار ہے اب زندگی پرہیزگاری سے

جھلکتا ہے جمالِ مہوشاں ململ کی ساری سے
حیا محجوب ہے پردہ میں اپنی شرمساری سے

نہیں ہے دور رندی ان دنوں پرہیزگاری سے
بہت نزدیک ہے زاہد کا مسکن آبکاری سے

لباسِ حضرتِ واعظ میں تبدیلی بہت کم ہے
مگر خارج ہوئی ہے بردباری وضع داری سے

خدا مل جائے گا انساں اگر دل سے کرے کوشش
مگر حاصل نہ ہوگی نوکری امیدواری سے

ہماری آہِ گرم و سرد سے بنتی ہے یہ شبنم
بہارِ باغِ عالم ہے ہماری اشکباری سے

بہت اچھا ہو کچھ اندازۂ افلاس ہو جائے
ملے گر دم شماروں کا پتہ مردم شماری سے

بچے گی جان کیسے آتشِ سیال سے حافظ
تعاقب صید کا ہوتا ہے موٹر کی سواری سے

مئی ۳۶ء

حقیقت حال

نظر آتے ہیں کچھ ایسے بھی تقدس والے — دن میں تقوی ہے بڑا شب میں جو ہیں متوالے

لوگ ایسے بھی ہیں جن کی ہو گزر ہوٹل سے — بھوک سے گھر میں پریشان ہیں لڑکے بالے

چوک میں سیر کو جاتے ہیں بصد آرائش — جیب خالی ہے مگر پھرتے ہیں بڑے دل والے

زندگی کٹتی ہے اس طرح توکل بخدا — گھر میں کیا خاک رکھا ہے جو لگائیں تالے

قابل رحم ہے بیوی کی مکاں میں حالت — آئی تھی بن کے دلہن پڑ گئے جاں کے لالے

جھمکیاں گروی ہوئے چار مہینے گزرے — سالے آئے تو گئے لے کے بہن کے بالے

سال خالی نہیں جاتا جو نہ ہو نو وارد — فاقے ہوتے ہیں بھلا ان کو کہاں سے پالے

حسن بھی کر دیا افلاس نے ایسا غائب — کوئی لاغر کوئی احول تو کوئی ہیں کالے

گھر میں ہو جاتی ہے بارش جو کبھی غصہ کی — بیوی رو رو کے بہا دیتی ہے ندی نالے

دل میں واعظ کے اتر آئے ہیں دستار کے پیچ — شکل دیکھو تو نظر آتے ہیں بھولے بھالے

ہائے اس قوم کا اللہ ہی نگہبان ہو اب — نام کے رہ گئے اس دور میں اللہ والے

دسمبر ۳۸ء

نئی تہذیب کا سیلاب

آتشِ رخسارِ گلگوں سے بہت بیتاب ہے
حضرتِ زاہد کا تقویٰ صورتِ سیماب ہے

کیسے ہو پرہیز اس طوفانِ عالمگیر میں
زہد و تقوے کے لئے ہر گام پر گرداب ہے

ساغر و مینا کا جلوہ اسقدر ہے دل فریب
قاطعِ صبر و تحمل قامعِ اعصاب ہے

نغمہ سنجی غیب سے ہوتی ہو وائرلیس میں
اک تماشا ہے کہ ہر موجِ ہوا مضراب ہے

شام کو لیلیٰ کے شانوں پر ہے اک خوش رنگ فر[۱]
اور کلاہِ قیس میں بھی اک پرِ سرخاب ہے

شیخ بھی آخر بشر ہے اس سے کب تک ضبط ہو
مضطرب کٹتا ہے دن شب میں پریشاں خواب ہے

دل میں کہتا ہے کہ تنہا میں ہی ہوں کیوں تشنہ کام
میکدہ کے لطف سے ہر ایک یاں سیراب ہے

رفتہ رفتہ آ رہا ہے وہ بھی شیشہ کے قریب
آج تک ڈرتا تھا گویا مے کوئی تیزاب ہے

پارسائی میں بہت کچھ ہو گئی قطع و برید
اس زمانہ میں وہ ریشِ نیم گز کمیاب ہے

اٹھ گیا خوفِ خدا مانع نہیں شرم و حیا
قصۂ پرہیزگاری داستانِ خواب ہے

ہو رہی ہیں ہم سے رخصت سب روایاتِ قدیم
یہ گزارش آپ کی خدمت میں اے احباب ہے

جا رہے ہیں ہم جو دریا کی روانی کی طرح
دوستو یہ ارتقا ہے یا کوئی سیلاب ہے

نوح و یونس دونوں خاصانِ خدا تھے بچ گئے
جو نہیں پیراک اس طوفان میں غرقاب ہے

روز افزوں ہے تلاطم فکر کچھ اپنی کرو
پار ہو جاؤ کہ یہ دریا ابھی پایاب ہے

نومبر ۳۲ء

۱۔ پوستین

تلقینِ کسبِ معاش

تمہارے عشق میں اب حضرتِ مجنوں یہ مشکل ہے
کہ لیلیٰ ڈھونڈھتی ہے زر تمہارے پاس بس دل ہے

نئی شان و ادا سے تم محبت کرنے نکلے ہو
ذرا یہ بھی تو دیکھو کون اس جانب مقابل ہے

نہ کالج میں رہے جا کر نہ ڈگری تم نے حاصل کی
ہر اک جا کر یہی کہتا ہے مجنوں ایک جاہل ہے

نئی تہذیب کی تم میں نہیں ہے ایک بھی خوبی
ہر اک کے ہاتھ میں اخبار اور بستر میں ناول ہے

تمہیں بس جان دینے کے سوا کچھ بھی نہیں آتا
بتاؤ اک ہنر بھی جس میں تم کو فخرِ حاصل ہے

گریباں چاک سر پہ خاک تم پھرتے ہو صحرا میں
بھلا اس حال سے انسان کب ملنے کے قابل ہے

فقط صحرا نوردی سے کبھی لیلیٰ نہیں ملتی
تمہارا حوصلہ بے سود ہے اور سعی باطل ہے

یہ ایں حال پریشاں تم جب اس کے در پہ جاتے ہو
کوئی کہتا ہے دیوانہ کوئی کہتا ہے سائل ہے

سلیقے سے اگر الفت کرو صورت بھی اچھی ہو
تو پھر دیکھیں تمہارا عشق آساں ہو کہ مشکل ہے

نکلتی ہے ہوا خوری کو لیلیٰ روز موٹر میں
تحیر سب کو ہوتا ہے کہ ناقہ ہے نہ محمل ہے

لگاؤ اک دکاں بہتر ہے اس آوارہ گردی سے
ضرورت اس کو بھی پٹرول کی منزل بہ منزل ہے

نہ اب وہ کوئے جاناں ہے نہ وہ عشاق کا مجمع
نہ خنجر ہے نہ سینہ ہے نہ قاتل ہے نہ بسمل ہے

جہاں مقتل تھا پہلے آج ہوٹل ہے وہاں قائم
نہ دریا ہے نہ طوفاں ہے نہ کشتی ہے نہ ساحل ہے

محبت لفظ بے معنی وفا ہے امر لاینحل
نہیں پڑتا ہے ان بے کار باتوں میں جو عاقل ہے

پریشاں حال کی پرسش نہیں اس دور زرگیں میں
ہے اس کی قدر جو زر دار ہے اوفلیشن اپیل ہے

اپریل ۳۴ء

نئی تہذیب

بہت کچھ عیب جوئی کے لئے باریک بینی ہے
صلاح نیک میں بھی ہر طرف سے نکتہ چینی ہے

مدارس میں سبق ایسا دیا جاتا ہے لڑکوں کو
غرض تعلیم کی گویا تعصب آفرینی ہے

نہیں جغرافیہ اور ملک کی تاریخ سے واقف
بصارت میں جناب شیخ کی کوتاہ بینی ہے

مصاحف کے عوض لوگوں نے کی تقلید لیڈر کی
اب انکار رہنما ہر وقت الہام زمینی ہے

اثر تعلیم کا ہو یا نہ ہو ان نوجوانوں پر
مگر تبدیل وضع و قطع اک امر یقینی ہے

نئی تہذیب کا صیقل فقط سطحی ملمع ہے
حقیقت میں ترقی دنیوی ہے اور نہ دینی ہے

سڑک پر بوٹ پالش دار ہے آئینہ دولت
مگر گھر میں فقط دو گوش ہیں اور ایک بینی ہے

ہنر بھی چاہئے کچھ ساتھ میں نکٹائی کالر کے
نہ ہو جوہر تو پھر فیشن بھی گویا تام چینی ہے

جون سنہ ۱۲ء

مسلم نوجوانوں سے خطاب

ہم ہیں برباد خیالات من و مائی سے
کام وہ کرتے ہیں جو دوہیں دانائی سے

نوجوانوں سے ہماری ہے گذارش اتنی
ہو گی اصلاح نہ اس شوقِ خود آرائی سے

صرف پوشش میں ہوا فرق بدل دی صورت
تم نے پایا ہی یورپ کی شناسائی سے

نہ وہ خودداری ہے تم میں نہ وہ حب الوطنی
فائدہ کیا ہے فقط زینتِ بالائی سے

نہ کوئی رنج یہودی سے نہ ہندو سے ملال
نہ کوئی ضد نہ تعصب ہمیں عیسائی سے

وضع سیکھی ہے تو کچھ ان کے ہنر بھی سیکھو
استفادہ کرو ہر ایک کی اچھائی سے

وضع سے بڑھ کے ضروری ہے کہ اخلاق ہوں نیک
مرتبہ ہوتا ہے انسان کا سچائی سے

شیخ کو چاہیے اخلاق کی اصلاح کریں
ہو گی بخشش نہ فقط ریش کی لمبائی سے

نئی تہذیب کا آیا ہے جو سیلاب عظیم
نہ تھمے گا یہ فقط قوتِ گویائی سے

گر ہوں اعمال درست اور عقاید راسخ
کچھ بگڑتا نہیں کالر سے نہ نکٹائی سے

مئی ۳۳ء

ڈماکریسی اور مسلم

ڈماکریسی[۱] کی ابتدا ہے ہر اک سر میں ہوا بھری ہے
ابھی تو کل جنتری ہے باقی ہنوز آغاز جنوری ہے

بھری ہیں دل میں نئی امنگیں جو پہلے بزدل تھا اب جری ہے
کبھی جو ڈرتا تھا اپنے سایہ سے اس کو شوق سپہگری ہے

عجیب ہے انقلاب عالم فلک کی دیکھو ستم ظریفی
کبھی جو کرتے تھے یاں حکومت اب انکا حصّہ گداگری ہے

کسی کے گھر میں تونگری ہو یہاں ہے ہر وقت تنگدستی
کسی کے حصّے میں بہتری ہو ہماری قسمت میں ابتری ہے

دلوں میں کاوش بھری ہے ہر دم غضب کا ہے انتشار باہم
نصیحت و پند رائیگاں ہیں سروں میں کچھ ایسی خودسری ہے

ہمارا کیا حال ہوگا آگے روش رہی گر یہی ہماری
پدر نے لی تھی کچہری سے پنشن مگر پسر انکا دفتری ہے

یہ میری بدقسمتی ہے حافظ کہ لوگ مجھ سے خفا ہیں حق پہ
ہزار آتی ہیں دل میں باتیں مگر جو کہتا ہوں وہ کھری ہے

جنوری ۳۳ء

۱؎ جمہوری حکومت۔

پاس آبرو

ہے ضعیفوں کو یہ حسرت نوجوانی چاہیئے
مے کدہ میں میکشوں کو مے پرانی چاہیئے

اک فریب سخت ہی پیری میں یہ رنگ خضاب
ان کو اب فکر حیات جاودانی چاہیئے

دیکھئے عینک لگی ہے اور نظر ہے بام پر
کیا انھیں کوئی بلائے آسمانی چاہیئے

نوجوانو سامنے رکھو نظر ہر امر میں
تم کو گر دنیا میں رہ کر کامرانی چاہیئے

حفظ صحت کے لئے کھاتے ہو ڈبہ کی غذا
اور پینے کے لئے بوتل کا پانی چاہیئے

سوڈا اور لمنڈ سے اب ہوتی نہیں تسکین قلب
تم کو پانی بھی برنگ ارغوانی چاہیئے

چھوڑ کر اپنا تساہل خوگر محنت بنو
عیش و عشرت کے عوض جاں فشانی چاہیئے

سخت حیرت ہے کہ ان آنکھوں کا پانی ڈھل گیا
ساتھ خودداری کے تم کو زندگانی چاہیئے

قدر گوہر ہوتی ہے دنیا میں اس کی آب سے
تیغ بننے کے لئے آہن کو پانی چاہیئے

اگست ۳۲ء

اعتدالِ تمنّا

کسی کو آرزو یہ ہے کہ دولت بیکراں مانگے
کسی کے دل میں ارماں ہے حکومت کی عناں مانگے

قفس میں چاہیے بلبل کو اپنا آشیاں مانگے
یہ گستاخی ہے وہ صیاد سے تیر و کماں مانگے

تعجب ہے حقیقت کا نہیں ادراک انساں کو
ہٹیا جب دہاں کرلے تو ابلہ کو زیاں مانگے

تحیر خیز ہے طرزِ عمل یہ کانگریسی کا
فقط کھادی پہننے کے عوض ہندوستاں مانگے

تعجب کیوں نہ ہو انساں رہے جب بے خبر اتنا
کہ لکنت ہے زباں میں جس کی وہ تیغِ زباں مانگے

ملا ایک خندہ زن ہے مانگنے کی بھی کوئی حد ہے
جو آیا ہے یہاں فانی وہ عمرِ جاوداں مانگے

مسلماں کی دعا کا کچھ نہ پوچھو اس کی عادت ہے
پریشانی سے دو سجدے کیے اور دو جہاں مانگے

زباں دستِ دعا اور دل کثافت میں ہیں آلودہ
عمل کچھ بھی نہیں لیکن زمین و آسماں مانگے

یہ مانا ہم نے بندے کو وہی اک دینے والا ہے
خدا سے گر نہ مانگے کوئی پھر جا کر کہاں مانگے

دعا کا اہل ہو تو یہ کرے پھر ہاتھ پھیلائے
تو دیتا ہے خدا انساں کو جو مانگے جہاں مانگے

فروری سنہ ۴۱ء

چند واقعات زمانہ حال

نمائش کے لئے واعظ بڑی پرہیزگاری ہے
بہت تھوڑا ہی تقویٰ اور باقی ہوشیاری ہے

ضرورت پر بہت لیڈر کی قومی اشکباری ہے
ادھر واعظ کو بھی رندوں کی اکثر پاسداری ہے

دو رنگی ہو گئی ہے رند و زاہد کیلئے آساں
کہ مسجد کے مقابل ہی دکان آبکاری ہے

تعجب کیا ہے مجنوں چین سے گھر میں نہیں رہتا
رہے بیکار کیوں جب پاس موٹر کی سواری ہے

الکشن کا اثر اچھا ہے یہ امیدواروں پر
رعونت کی جگہ اب انہیں خوئے خاکساری ہے

یہ نیرنگ زمانہ ہے کہ بیوی دیتی ہیں لکچر
میاں بیٹھے ہیں گھر میں اور فکر خانہ داری ہے

زمیں کا رہنے والا آسماں کی سیر کرتا ہے
یہ طیارہ نہیں تخت سلیماں کی سواری ہے

بڑا ثابت قدم ہے شیخ میدان محبت میں
کہ فاقے کر رہا ہے پھر بھی خوئے عشق جاری ہے

کہاں یہ فاقہ مستی اور کہاں یہ عشق کا جذبہ
یہ باتیں زیب دیتی ہیں جہاں سرمایہ داری ہے

دسمبر ۳۶ء

مغربی تعلیم کے تاثرات

چلے ہیں ہم جو روایات زیر پا کر کے
بڑا کمال کیا ہے یہ ارتقا کر کے

ہوئی نہ ہم کو سزا وار مغربی تعلیم
تباہ کر گئی فیشن میں مبتلا کر کے

بڑے مزے سے رہے چار سال یورپ میں
کوئی یہ پوچھے کہ آئے ہیں آپ کیا کر کے

پرائے درد کی دل میں نہیں ہے گنجائش
مٹا گئی انھیں خود بین و خود نما کر کے

امیر کی ہے یہ خواہش کہ دیکھئے لندن
جو تنگدست ہے آتا ہے حج ادا کر کے

بڑے حجاب سے برقع میں بیبیاں آئیں
مگر تماشہ میں بیٹھیں گی چہرہ وا کر کے

جناب شیخ کو سینما میں جلد جانا ہے
نماز ختم ہوئی ہے خدا خدا کر کے

اسی پہ ختم ترقی رہی اگر حافظ
ضرور چرخ رہے گا ہمیں فنا کر کے

فروری ۳۴ء

"دلقِ رندی ریا سے بہتر ہے"

کیا کہوں شیخ مرد زیرک سے — کیوں نہ اٹے گئے وہ پھاٹک سے

آئے ہیں میکدہ میں خود بھی پئیں — فائدہ کیا ہے روز بک بک سے

جس کی آنکھوں میں ہو نہ بینائی — فائدہ کچھ نہیں ہے عینک سے

آپ نے میکدہ کو کیا سمجھا — ہوئی دنیا خراب اس شک سے

دلقِ رندی ریا سے بہتر ہے — یہ صدا آ رہی ہے ڈھولک سے

وعظ و لکچر کا وہ اثر نہ ہوا — درسِ عبرت ہوا جو ناٹک سے

شیخ نے جب سگار سلگایا — دل مرا ہو گیا ادھر دھک سے

لائی ڈاڑھی کے پاس یہ ماچس — ریش اڑ جائے گی کبھی بھک سے

جنوری ۳۲ء

مسلم خواتین کی حالت

میاں کو اس لیے سینما میں جانے کی ضرورت ہے
کہ اکثر شام کو گھر میں انھیں اک خاص وحشت ہے
رہیں جب تک مکاں میں دوست انکے ساتھ رہتے ہیں
ہوا خوری بھی کرتے ہیں خیال حفظ صحت ہے
تماشوں اور جلسوں سے بھلا بیوی کو کیا نسبت
رہے وہ گھر کے اندر یہ تقاضائے شرافت ہے
ہمیشہ انتظام خانہ داری فرض ہے اس کا
خدا کو منہ دکھانا ہے اسے فکر عبادت ہے
پکا کر روٹیاں سب کو کھلانا کام ہے اس کا
صلوٰۃ وصوم میں وہ دل سے پابند شریعت ہے
میاں مجبور ہیں تفریح سے فرصت نہیں ملتی
خیال عاقبت آئے انھیں کب اتنی مہلت ہے
مکاں میں رہتے رہتے ہوگئی بیوی کی یہ حالت
نکلنا گھر سے اب اس کے لئے گویا قیامت ہے
کبھی برقع میں نکلی بھی تو گویا چیستاں بن کر
معطل دست و پا ہیں اک معمہ اس کی صورت ہے
قدم اٹھتا نہیں ہے ٹھوکریں کھاتی ہے چلنے میں

میاں لے جائیں اس کو ساتھ تو بھی اک مصیبت ہے
یہ ہے تلقین واعظ کی نہ دو تعلیم عورت کو

کہا جاتا ہے اس کا بہترین زیور جہالت ہے
ہے پردہ کے لئے واعظ کی اس پر اس قدر سختی

اگر مضمون بھی لکھے تو وہ افشائے زینت ہے
وہ اپنے حال میں خوش ہے اگر برتاؤ اچھا ہو

اسے کل راحت دنیا میاں کی اک محبت ہے
مگر اخلاق کی شوہر کے ہے ناگفتہ بہ حالت

بہت ایسے بھی ہیں جن کو حمیت ہے نہ غیرت ہے
مقید گھر میں بیوی اور میاں گلیوں میں پھرتے ہیں

ذرا انصاف تو کیجے یہی حکم شریعت ہے
یہ واعظ سخت گیری کیوں نہیں کرتے ہیں شوہر کی

تعجب ہے کہ اس کے ساتھ آخر کیوں رعایت ہے
اگر شوہر ہو بد اطوار آزادی کے پردے میں

تو پھر انصاف سے اس کو بھی پردے کی ضرورت ہے

دسمبر ۱۹۳۶ء

خطابات کی بارش

لطف جن پر ہو گیا سرکار کا سر ہو گئے
جتنے گاندھی کے ہوئے پیرو وہ خود سر ہو گئے

کونسل کی ممبری پر سیکڑوں فائز ہوئے
چند خوش قسمت تھے مسٹر سے منسٹر ہو گئے

مولوی و منشی اور پنڈت کوئی لکھتا نہیں
پہلے یہ القاب تھے جن کے وہ مسٹر ہو گئے

ہر طرف سرکار کا ایسا ہوا لطف و کرم
خان صاحب رائے صاحب بگھر گھر ہو گئے

میر صاحب کو ملا ہے خانصاحب کا خطاب
شیخ سید اور مغل باہم برابر ہو گئے

شیخ صاحب کو ہوا موزوں سراپا یہ خطاب
خاں بہادر کا لقب پا کر مفخر ہو گئے

چند ایسے بھی کبھی انہیں ہوئے ہیں باخطاب
ہے تحیر دیکھنے والوں کو کیوں نکر ہو گئے

خوبیِ قسمت ہے ہم بھی تہنیت میں ہیں شریک
تھی کمی سر کی خدا کا شکر ہے سر ہو گئے

ہم کو بھی سرکار نے سمجھا سزاوارِ خطاب
شکر کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے ہمسر ہو گئے

فروری سنہ ۳۰ء

چند سیاسی مسائل پر نظمیں

مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر کھرے کے سیاسی اختلافات

گاندھی جس وقت چلے کرنے کھرے[1] کو کھوٹا
وہ مثل تھی کہ بڑا بول تھا اور منہ چھوٹا

کانگریس نے بھی ٹکے سیر کا انصاف کیا
وہی قصہ ہوا دبلا کرے بھگتے موٹا

ڈاکٹر کے لئے تیتا رہا وہ بھوجن
ہضم کرتا نہ جیسے جانوروں کا پوٹا

کھرے کھوٹے کا قضیہ نہ ہوا تھا ابھی ختم
کانگریس کو ہوا دوکان میں بھاری ٹوٹا

آشرم میں ہوئیں نیرے[2] کے سبب چند اموات
شرم آلود ہوا جس سے بڑا اور چھوٹا

ایسے مے نوش کہ وہسکی نہیں تاڑی ہی سہی
اور بوتل کی جگہ کام میں لائے لوٹا

آشرم سے ہوا ظاہر جو یہ نیرے کا خمیر
اس سے ہر شخص کا دل ہوتا تھا چھوٹا چھوٹا

دل میں ہر ایک نے کر لی کھرے کھوٹے کی تمیز
کام سونے کا نہ دے گا کبھی جھوٹا گوٹا

ستمبر ۳۸ء

[1] ڈاکٹر کھرے [2] نیرا سی پی میں اس عرق کو کہتے ہیں جو کھجور کے درختوں سے علی الصباح قبل طلوع آفتاب اتار لیا جائے دیر ہونے سے اس میں خمیر پیدا ہوتا ہے۔

کانگرس اور گورنمنٹ کے خطابات

کانگرس کا جب ہوا اعزازِ برٹش پر عتاب
آنریبل تھا وزیروں کے لئے جائز خطاب

مضحکہ ہوتا تھا ان کا تھے جو آنر یافتہ
آنریبل کی مگر کرتے تھے عزت بے حساب

سلسلہ اعزاز کا ان کو اگر تھا ناپسند
بات پوری جب تھی ان سے کرتے یکساں اجتناب

تھا اگر اعزازِ برٹش سے تنفّر واقعی
آنریبل کو کیا اپنے لئے کیوں انتخاب

آنریبل ہو کہ آنر حال دونوں کا ہے ایک
ان خطابوں کے لئے ناحق ہے اتنا پیچ تاب

جس نے خدمت کے صلہ میں کر لیا آنر قبول
دنیوی عزت بڑھی اور ہو گیا زائل ثواب

لیڈروں کو کانگرس خود دے رہی ہے مرتبے
اب لقب ہے ڈکٹیٹر[۵] پہلے تھا بہادر کا خطاب

ملک کی خدمت نہیں پبلک کی خدمت سے جدا
بات دونوں ایک ہیں پانی کہے یا کوئی آب

ہیں وہی جھگڑے سودیشی اور ولیتی کے یہاں
اب ہوا ہے نام پستک پہلے کہتے تھے کتاب

دو ہوائیں چل رہی ہیں مختلف اک بام پر
ہے خطا جو ہم کریں جو کچھ کریں وہ ہے صواب

کانگرس والوں کا یہ طرزِ عمل بھی ہے عجیب
آپ ہی انصاف کر کے دیجئے اسکا جواب

آنریبل جتنے ہیں سب آنریبل ہی رہیں
جتنے آنر پا چکے ہوں وہ کریں واپس خطاب

اگست سنہ ۳۶ء

[۵] بہادر

دولِ یورپ کے باہمی تعلقات

ساتھ صحرا میں نہیں دیتے کبھی گلشن کے دوست
دوست ہو جاتے ہیں اکثر وقت پر دشمن کے دوست

دوستوں کی بے وفائی کا نہیں کوئی حساب
ہو گئے دشمن بڑھاپے میں جو تھے بچپن کے دوست

ایک دشمن وہ ہے جس کی دشمنی ہے صاف صاف
دوسرا ہے سخت دشمن وہ جو ہو بن بن کے دوست

جو ہوں تیرے دوست کے دشمن وہ دشمن ہیں ترے
وہ بھی دشمن ہیں ترے جو ہوں ترے دشمن کے دوست

عہد و پیماں ملک گیری میں نہیں ہیں سنگ راہ
وقت پڑ جائے تو ہو جاتے ہیں سب رہزن کے دوست

جرمنی اور روس کی ان بن بہت مشہور تھی
ماسکو والے تھے آمادہ کہ ہوں لندن کے دوست

جرمنی جاپان و اٹلی تھے یہ سب اس کے خلاف
وقت جب آیا تو روسی ہو گئے جرمن کے دوست

جرمنوں کا وار سا پروار ہے اک جرم سخت
ہے دماغ ان کا فلک پہ ہم ہیں اب رشین کے دوست
ظلم و استبداد کا اک روز ہوگا رو سیاہ
نازیوں کو ناز یہ بھی ہے کہ ہیں رومن کے دوست
ایک دن برلن میں ہوگی آگ لنکا کی طرح
دیکھتے رہ جائیں گے یہ روسیہ راون کے دوست

ستمبر ۳۹ء

ہندوستان میں مسلم رواداری

اس ملک پہ گاندھی کا ہے احسان سراسر
کردے جو اچھوتوں کو برہمن کے برابر

مسلم کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے
ہر گونہ مساوات ہے مذہب سے مقرر

اسلام میں سب بھائی ہیں اللہ کے بندے
باہم نہیں رتبہ میں کوئی بر تر و کمتر

مسجد میں کوئی فرق نہیں شاہ و گدا میں
ہیں حاکم و محکوم وہاں صف میں برابر

یہ شان مساوات ہے مسلم کی ہمیشہ
عیدین میں ملتے ہیں گلے مالک و چاکر

پیشے کے سبب سے نہ ہوئی ذلت و تحقیر
کمتر کو مسلماں نے دیا رتبہ برتر

اس ہند میں نائی کا ہوا نام خلیفہ
بھنگی کو پکارا تو لقب اس کا تھا مہتر

سائل کا لقب شاہ ہوا اور کبھی سائیں
رتبہ فقرا کا تھا امیروں سے فزوں تر

سقے کو بلایا تو کہا اس کو بہشتی
اس نام سے مسلم کی زباں اب بھی ہے خوگر

مومن لقب ان کا ہوا جو بنتے ہیں کپڑا
برتاؤ میں سب ان کو سمجھتے ہیں برادر

نیچ اونچ کی کھانے میں نہیں ہے کوئی تفریق
دعوت میں مساوی ہیں غریب اور تونگر

مسلم نہیں ہندو سے مساوات کا خواہاں
خود اس کے مقابل میں رضا سے ہے وہ کمتر

کھانا ہو کہ پانی ہو کوئی چھوت نہیں ہے
ہندو جو مسلمان کو دے ہاتھ سے لاکر

دھوکر اسے دھوبی نے دیا جامۂ ناپاک
کرتا ہے نماز اپنی ادا اس کو پہن کر

شیرینیٔ بازار بھی ہوتی ہے تبرک
اور فاتحہ مولود میں کام آتی ہے گھر گھر

ہندو کے لئے چھوت ہے مسلم کی ہمیشہ
کچھ اس کا گلہ اور نہ شکایت ہے زباں پر

ہاتھوں سے ہو ہندو کے مساجد کی صفائی / مسلم کی نظر تک نہ پڑے دیر کے اندر

ان باتوں سے ثابت ہے رواداری مسلم / تلوار میں ہوتے نہیں اس قسم کے جوہر

اظہار حقیقت ہے شکایت نہیں مقصود / برتاؤ نہیں اس سے بنا دے کوئی بہتر

ہرگز یہ طریقے نہ تھے تعزیر کے قابل / افسوس کہ برگشتہ ہے مسلم کا مقدر

ہر ایک سے رکھا جو محبت سے تعلق / اخلاق سے مسلم نے کیا سب کو مسخر

جب فتح کیا ملک کو اور آئے برہمن / کیا ان کا طریقہ ہوا اس ہند میں آکر

انساں نے کیا سایۂ انسان سے پرہیز / دنیا میں بھلا کوئی کرے گا اسے باور

اچھا ہوا مسلم نہ ہوا چھوت کا موجد / سب کہتے کہ تہذیب نہ نکلی اسے چھو کر

البتہ ہے اسلام میں تقوے سے بزرگی / ہے فیصلہ اس امر کا اللہ کے ادپر

مفہوم ہریجن کا ہے اللہ کے بندے / گاندھی نے کیا نیچ کا یہ نام مقرر

لیکن کبھی کہنا نہ برہمن کو ہریجن / ان دونوں میں پھر بھی ہے بڑا فرق سراسر

ہے ان کا خدا اور ہریجن کا خدا اور / باہم نہیں اللہ کے بندے بھی برابر

جولائی ۳۳ء

۱۹۲۰ء میں دولت عثمانیہ کی لوٹ

دار سے جب دار پایا اور ہوا یورپ پیں بیں
پیں[1] بیں اور پسنے میں فرق تھا انیس بیس

دولت عثمانیہ کی لوٹ کی تقسیم تھی
ساری دنیا میں نہ تھا کوئی مددگار و انیس

جان بیکس پڑگئی تھی درمیاں خرس و گرگ
اک طرف خونخوار پنجے دوسری جانب تھی کھیس

آپریشن اک صدی سے تھے تن بیمار[2] پہ
کر دیا بے دست و پا پھر بھی طلب ہوتی تھی فیس

سیریا کا فیصلہ تھا قول فیصل[3] کے خلاف
کاتبان پیس گویا ہو گئے قسمت نویس

دیکھ کر ٹرکی کو بسمل پھر لگی اٹلی کو بھوک
بھول کر ادہم[4] کو آ دھمکا سمرنا پر گریس

پردۂ رحمت سے آیا ایک مرد با کمال[5]
قامع ادہام تھیں جس کی تدابیر نفیس

ہر سطر تھی صفحۂ عالم پہ ترکوں کو دقیق
فضل رب سے ہو گئی ساری عبارت پھر سلیس

وہ ہزیمت پائی جو یوناں نہ بھولے گا کبھی
مدتوں بےچین رکھے گی یہ زخم دل کی ٹیس

ملک گیری ہیں سوئے ہضمی ہے اک مہلک مرض
دوسروں کو دیکھ کر ہرگز کبھی کرنا نہ ریس

دسمبر سنہ ۲۱ء

[1] صلح [2] مریض یورپ یعنی ٹرکی [3] امیر فیصل [4] ادہم پاشا فاتح یونان۔
[5] مصطفےٰ کمال پاشا۔

تحریک سوراج اور مسلمانانِ ہند

نئی طرزِ حکومت کی یہاں جب ابتدا ہو گی
خدا جانے کہ اس کی ہند میں کیا انتہا ہو گی

ہریجن کا برہمن کے برابر مرتبہ ہو گا
نہیں معلوم مسلم کی پوزیشن اسمیں کیا ہو گی

نہ کچھ تعلیم کی کوشش نہ پیشوں میں ہے گنجائش
کروڑوں کی ہے یہ تعداد آگے چل کے کیا ہو گی

تعجب ہے کہ مل کر ایک ہو جائینگے کل فرقے
جدا ہے آج مسلم قوم کیا پھر بھی جدا ہو گی

بہت اچھا ہو کوئی تصفیہ ان سے بھی ہو جائے
نہیں تو ملک میں تکلیف اس سے بھی سوا ہو گی

مسلماں کے سبب سے ہند میں اکثر تپ لرزہ
نہیں کچھ فکر آخر اس مرض کی کیا دوا ہو گی

ضروری ہے ملا لو ان کو یا خود انمیں مل جاؤ
حصولِ مدعا کی ورنہ کل کوشش فنا ہو گی

محبت اور روا داری کی دونوں کو ضرورت ہے
لڑائی فرقہ وارانہ یہ باہم تا کجا ہو گی

کوئی ایسا نہیں ملتا جسے دونوں سے الفت ہو
اگر ہو گی تو ایسے شخص سے اسکی دوا ہو گی

نومبر ۴۰ء

قرطاس ابیض اور ہندو مسلم رسہ کشی

سبھا اور کانگرس نے ملک میں ہل چل مچائی ہے
بہت خم ٹھونک کر قرطاس ابیض پر چڑھائی ہے
سبھا والے کمونل فیصلے سے ہیں بہت ناخوش
کریں گے مسترد اس کو قسم یہ دل سے کھائی ہے
مقرر حصّہ مسلم ہوا جس دن سی سروس میں
دلوں میں اس کے باعث اور بھی رنجش سمائی ہے
کشیدہ ہو رہے ہیں کانگرس اور لیگ کے رستے
پڑے ہیں پیچ اور پیش نظر جنگ آزمائی ہے
مسلماں بھی اڑے ہیں ہم نہ چھوڑیں گے حقوق اپنے
انھیں بھی دل سے اب مدنظر زور آزمائی ہے
کہاں کی قومیت اور اتحاد باہمی کیسا
دلوں میں تفرقے ہیں اور ظاہر میں صفائی ہے

سلہ فرقہ دارانہ

خدا جانے کہ آگے چل کے حالت ان کی کیا ہوگی

ذرا سی بات پر شیخ و برہمن میں لڑائی ہے

ارادہ ہو رہا ہے پیچ بازی کا اسمبلی میں

الیکشن کے لئے ہر ایک نے تکّل بنائی ہے

اڑاتے ہیں بہت ہم ہمت عالی کے کنکوے

مگر جب وقت آیا ہے تو کنّی سب نے کھائی ہے

لگا لیں زور آپس میں جو ہونا ہے وہی ہوگا

تماشہ دیکھ لیں یہ بھی پتنگوں کی لڑائی ہے

ستمبر ۳۴ء

بجھ جائے گی کیا شمع فقط جنبشِ پر سے ؟

غائب ہے وہ دیرینہ جنون قیس کے سر سے
ہر بات ہے تدبیر سے ہر کام ہنر سے

آیا ہے پسند اس کو جو وحشت کا طریقہ
سب کام نکل آئیں گے اب خوف و خطر سے

سر پر ہے سفید ایک نئے قسم کی ٹوپی
خطرہ نہیں جس کو نظرِ بد کے اثر سے

جھنڈی ہے سیہ ہاتھ میں اور ساتھ رضا کار
ہے مال کی حرص اور نہ غرض ہی جنھیں زر سے

یورش ہے بڑے زور سے لیلیٰ کے مکاں پر
کوچہ سے نہ جائے گا اگر آگ بھی برسے

لیلیٰ کو جتا دو یہ نیا دورِ حکومت
وہ چین کرے اور یہ دیدار کو ترسے

جب ستیہ گرہ آ کے کرے گا وہ مکاں پر
ہے تاب کسی میں جو اٹھائے اسے در سے

دھمکی کبھی دی اس نے اگر فاقہ کشی کی
عالم میں بڑا تہلکہ پڑ جائے گا ڈر سے

کوچہ میں ہیں اغیار بھی لاٹھی سے مسلح
ہر ایک ہے آراستہ سنگین و تبر سے

سب دیکھتے ہیں دور سے اس کا یہ تماشا
ہو جائے نہ جنگ اس لئے خاموش ہیں ڈر سے

چرچا ہے یہی ملک میں ہر اک کی زباں پر
سب کام نکالے گا وہ چرخے کے اثر سے

ہو جائیں گے برباد یہ آلات ہوائی
اسپیچ کے طوفان سے اور شور و شرر سے

اب قیس کا ہے کوچۂ لیلیٰ میں تسلط
اڑ جائیں گے توپوں کے دھوئیں ایک نظر سے

ہے جیل میں نظارۂ آزادیٔ مجنوں
ہر کام وہ تلوار کا لیتا ہے سپر سے

پروانہ ہے اب بزم میں آمادۂ پیکار
بجھ جائے گی کیا شمع فقط جنبشِ پر سے ؟

جولائی ۱۹۳۹ء

یورپ میں جنگ کی تیاریاں

فنا کے واسطے یورپ میں اتنا جمع ساماں ہے
کہ اس کو دیکھ کر پیرِ فلک بھی سخت حیراں ہے

فضا و بحر و بر میں اب نہیں جائے اماں باقی
عدو سب سے بڑا انسان کا دنیا میں انساں ہے

زمیں میں زلزلہ ہو اور سروں پر آتشی بارش
مکان و مال و جاں کا بس خدا ہی پھر نگہباں ہے

خدا غارت کرے یورپ کے شوقِ جنگ جوئی کو
نہ پھر قانون ہے کوئی نہ قرآں ہے نہ ایماں ہے

ترقی اہلِ یورپ کی تحیر خیز ہے لیکن
اسی تہذیب میں اس کی فنا کا راز پنہاں ہے

یہ خواہش ہے کسی کی ہو نئی اک سلطنت قائم
کہیں رہ رہ کے نو آبادیوں کا دل میں ارماں ہے

اُدھر ہے شوقِ وسعت اور اِدھر کوتاہیِ قسمت
ہمیں دنیا ہے تنگ اور انکو دنیا تنگ داماں ہے

مصائب اس جہاں میں بیشتر انساں کی باعث ہیں
اگر ہم چین سے بیٹھیں بیاباں بھی گلستاں ہے

تصادم ہے رقابت اور ہوا و حرص کا ہر جا
جہاں آرام باقی ہے فقط شہرِ خموشاں ہے

اکتوبر ۳۶ء

الکشن سے متعلق چند واقعات

الکشن آرہا ہے ہر طرف شور قیامت ہے
کبھی شوق نیابت ہے کبھی خوف رقابت ہے

فدائے قوم ہوتا ہے کوئی شیریں زباں ہو کر
کہیں حب وطن اور درد قومی کی اشاعت ہے

بروز جمعہ مسجد میں کوئی دیتا ہے لیکچر
کہ اس کو ووٹ دینا ملک و ملت کی اعانت ہے

تھیٹر اور ٹاکی میں بھی ہو جاتا ہے وعظ ان کا
جہاں مجمع نظر آجائے وہ موقع غنیمت ہے

ضرورت دیکھ کر مسٹر بھی بن جاتے ہیں مولانا
شریعت کے عوض منبر سے تفسیر سیاست ہے

اگر قسمت سے ملجائے کوئی واعظ کرایہ پہ
تو پھر دینا نہ دینا ووٹ کا حکم شریعت ہے

نماز پالیسی بھی کام کر جاتی ہے اے لیڈر
سڑک کے پاس تو ہر شام مصروف عبادت ہے

کبھی بنیاد پڑتی ہے شبینہ درسگاہوں کی
نگران کے لئے ہر وقت چندے کی ضرورت ہے

ملازم یہ خبر دیتا ہے مصروف عبادت ہیں
جب آئے کوئی ملنے کو وہی وقت تلاوت ہے

ترا یہ درد قومی کیمیا ہے اس الکشن میں
ترا حب وطن بھی اک بڑی جنس تجارت ہے

ترا یہ جوش خدمت عارضی ہے بس الکشن تک
غرض کا ہے مرض او ظاہرا قومی حرارت ہے

پہن کر تنگ جوتہ خدمت قومی کو نکلا ہے
سمجھ رکھا ہے دل میں یہ بھی اقدام شہادت ہے

یہ دینی جوش پر اسرار ہے امیدواروں کا
ہمیں معلوم ہے اچھی طرح جو دل کی حالت ہے

نہ ہوگا کونسل کی ممبری پہ ختم یہ قصہ
کہ اس جدوجہد کی علت غائی حکومت ہے

دکھانے کے لئے ہیں کانگرس اور لیگ کے جھگڑے
ترا مذہب ہی ہے جس طرف ان میں وزارت ہے

شرافت اور لیاقت دونوں ناکارہ ہیں اے حافظ
وہی افضل ہے جس کے پاس اب ووٹوں کی کثرت ہے

اکتوبر ۳۶ء

برلن ریڈیو کی دروغ بافی

غلط خبریں جو برلن ریڈیو سب کو سناتا ہے
ذرا شرمائے دل میں روز بے پر کی اڑاتا ہے

نکالی ہے نئی ترکیب ہٹلر نے لڑائی کی
کہ جب کچھ ہو نہیں سکتا تو وہ باتیں بناتا ہے

سمندر پر ہے جادو بے اثر اور دور ہے لندن
جو باتیں بڑھ کے کہتا ہے وہ آخر منہ کی کھاتا ہے

ہوا ہے مدعی کہنے کو وہ تجدید عالم کا
مٹا کر ساری دنیا کو نئی دنیا بساتا ہے

کیا ہے بے سبب جور و ستم کمزور ملکوں پہ
کسی کو وہ دباتا ہے کسی کو وہ ڈراتا ہے

لڑائی اس کی برٹن سے مٹایا ناروے جا کر
بڑوں سے بس نہیں چلتا غریبوں کو ستاتا ہے

ہے اب یونان پر حملہ جو لینے میں نہ دینے میں
بتائے ہم کو اٹلی خون ناحق کیوں بہاتا ہے

نہ تھا لندن کو برلن سے کوئی پرخاش کا باعث
غریبوں کی مدد کے واسطے برٹن ہی آتا ہے

ہوا بدلی ہے واپس جا رہی ہیں ظلم کی موجیں
خدا اپنے کرم سے دیکھیے کیا کیا دکھاتا ہے

نتیجہ ظلم کا اک روز مل جائے گا ظالم کو
یہ اک قانون قدرت ہے جو بوتا ہے وہ پاتا ہے

نہیں اندھیر دربار خدا میں دیر ہو جائے
وہ خود مٹ جائے گا اوروں کو جو ناحق مٹاتا ہے

نومبر ۴۰ء

قطعات

کا
مع
ر
تھ
آن
جب
لیڈ
ملک
ہیں
دوہ
کانگ
آنریب

ے بہ

رنگ خضاب

پیش خیمہ ہے سیہ کاری کا یہ رنگ خضاب
آپ نے جس کو سمجھ رکھا ہے اک کار ثواب

ہو چکی بس چند روزہ تھی جوانی کی بہار
لوٹ کر آتا نہیں جب ہو گیا رخصت شباب

دانت مصنوعی ہیں منہ میں اور لرزہ ہاتھ میں
ہو گئی ہے ضعف سے آنکھوں کی بینائی خراب

پانوں میں لغزش دم رفتار منہ پر جھریاں
دے دیا ہے دونوں کانوں کی سماعت نے جواب

روز تازہ ہو رہا ہے ریش کا رنگ سیاہ
ہے طلوع نور کا چہرہ پہ بالکل سد باب

دیں گے کب تک آپ خود کو اور دنیا کو فریب
کیجیے بہر خدا اس شوق سے اب اجتناب

ہے سپیدی ہر روئیں پر جسم کے جلوہ فگن
اس میں کیا خوبی ہے اک ڈاڑھی ہو مثل غراب

جنوری سنہ ۴۱ء

تقاضا رند کا تھا شیخ سے اب پیش قدمی کر
مزا کچھ زندگی کا دیکھ لے خود پر مے سنجی کر

تجھے ہم شوق سے کر لیں گے شامل اپنے حلقے میں
تکبر اور ریا سے پہلے اپنے دل کو خالی کر

کبھی رہتی نہیں یکجا ریا کے ساتھ مے خواری
یہ دونوں مل نہیں سکتی ہیں تو اے شیخ کچھ بھی کر

طریقہ ہے ہمارا راست بازی اور دل جوئی
مے الفت بڑی اکسیر ہے تو دیکھ لے پی کر

مزا جب ہے کہ تو احباب میں ہنس بول کر بیٹھے
یہاں خاموش کیوں رہتا ہے گویا اپنا منہ سی کر

جناب شیخ اپنے دل میں آخر ہو گئے قائل
اگر ہو زندگی بے لطف کچھ حاصل نہیں جی کر

سنی تعریف مے کی آج جب رندوں کے جلسہ میں
بہت آیا تھا غصہ دل میں لیکن رہ گئے پی کر

مارچ سنہ ۳۴ء

"بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا"

سن تھا اکتیس مہ جون کی تاریخ تھی تیس — سہ پہر وقت تھا اور ہفتہ کا دن تھا منگل
کر رہا تھا میں سفر ریل سے شملہ کے لئے — بہر تخفیف مصارف تھی وہاں اک کونسل
چند گھنٹوں کے لئے تھا مرا دہلی میں قیام — جس جگہ تخت نشیں تھی کبھی شاہان مغل
ہے حکومت کا نئے دور میں بھی صدر مقام — نئی دہلی میں ہے ایوان گورنر جنرل
ایک کمرہ میں فروکش تھا میں اسٹیشن پر — اس کے نزدیک ہی قائم ہے وہاں اک ہوٹل
لائے تشریف وہاں عصر کے وقت ایک بزرگ — وضع مسلم کی تھی اور ہاتھ میں تھی اک ریفل
مختصر ریش تھی اور سر پہ تھی ترکی ٹوپی — ساتھ میں ایک مصلےٰ بھی لئے زیر بغل
پوچھ کر سمت ہوئے شوق سے مصروف نماز — عجز کے ساتھ کیا سجدۂ ذوالعز وجل
ختم ہوتے ہی دعا، ایک قلی بلوایا — دے کے کچھ اس کو روانہ کیا سوئے ہوٹل
دو منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ آیا واپس — ہاتھ میں اس کے سیہ رنگ کی تھی اک بوتل
ہاتھ میں لے کے اسے پہلے تو لیبل کو پڑھا — پھر مصلےٰ ہی میں بوتل کا بنایا بنڈل
لے کے بندوق روانہ ہوئے اس کمرہ سے — اور بنڈل کو حفاظت سے لیا زیر بغل
بعد جانے کے کیا میں نے قلی سے دریافت — اس نے چپکے سے بتایا کہ وہ کیا تھی بوتل
میں نے دیکھا ہی یہ آنکھوں سے تماشائے عجیب — متحیر و پریشان ہوا میں اول
شعر مشہور ہے اک حافظ شیرازی کا — اس نے یہ مسئلہ سجادہ و مے کا کیا حل

جولائی ۳۱ء

ہے شیخ آج کیوں تری آنکھوں کا رنگ لال — ہے تشنگی زبان میں ابھرے ہوئے ہیں گال

لغزش ہے تیرے پاؤں میں بدلی ہوئی ہے چال — تسبیح کی خبر ہے نہ دستار کا خیال

یوں تو تری زبان طوالت پسند ہے — ہے آج میکدہ میں فزوں تیری قیل و قال

کیا وجہ ہے مزاج میں سنجیدگی نہیں — اور گفتگو میں تیری متانت نہ اعتدال

کیوں ہو رہی ہے مے کی مذمت یہ بار بار — الٹی چھری سے تو اسے کرتا ہے کیوں حلال

رندوں کو فکر مے ہے ادھر تجھ کو ذکر مے — دونوں کا اک خیال ہے دونوں کا ایک حال

بہکا ہوا ہے رند تو بہکا ہوا ہے تو — مے نوش مست ہے تو تجھے کیوں ہے اشتعال

دونوں کی میکدہ میں گزرتی ہے ساتھ ساتھ — تجھ کو ہے اجتناب نہ ان کو ہے انفعال

ٹھوکر بھی لگ گئی ز رہِ حسنِ اتفاق — اور بچ گئی یہ ریش سر خم سے بال بال

اس بیخودی سے تیری پڑے ہیں بڑے شکوک — کچھ آج دستبرد کا ہوتا ہے احتمال

ان حرکتوں سے کھل گئی چوری شراب کی — اے شیخ ہے کسی کا مقولہ یہ حسب حال

گر مفت کی ملے تو ہے قاضی کو بھی روا — تقوے کی آڑ میں تجھے ہر بات ہے حلال

مئی ۳۲ء

گورکاوی اور ریسرچ

محقق مصر میں جاکر انوکھی بات کرتے ہیں ۔ کہ قبریں کھود کر مردوں کی تحقیقات کرتے ہیں

یہ کیوں بیدار کرتے ہیں وہاں خوابیدہ مردوں کو ۔ خموشی سے وہ بیچارے بسر اوقات کرتے ہیں

بڑے آرام سے وہ نیند سوئے ہیں قیامت کی ۔ یہ آخر کیوں ابھی سے ختم انکی رات کرتے ہیں

ستم ہے بعد مردن بھی نہ پائیں گھڑیاں راحت ۔ بسر یہ زندگانی ہم بصد آفات کرتے ہیں

کیا ہے کیوں ستم جاکر وہاں گوروں نے گوروں پر ۔ یہ کیسے مرد ہیں مردوں کی تحقیقات کرتے ہیں

ہے اکثر گورکاوی میں بڑی تعمار نگری حافظ ۔ اگر امید زر ہو غزنوی کو مات کرتے ہیں

دسمبر ۳۳ء

بے وفائی احباب

اب ہمارا کوئی دشمن نہیں ہم جس سے لڑیں ۔ ورنہ پھر سوچتے ہیں دل میں کہ کس کس سے لڑیں

بے وفائی و دغا ہوگئی خوئے احباب ۔ دوست دشمن ہیں نہ ہو فرق تو پھر کس سے لڑیں

رسم دنیا ہے یہی کوئی نئی بات نہیں ۔ یہ بھی زیبا نہیں ہم اپنے ہی مونس سے لڑیں

باغ عالم میں ہمیں گل کی جگہ خار ملے ۔ اتنی تبدیل ہے کہ ہم دیدۂ نرگس سے لڑیں

خو سے مجبور ہیں عدو ۔ دوست بھی آخر ہے بشر ۔ نہ گلہ اس کا کریں اور نہ ہم اس سے لڑیں

آتا ہے جب خیال کہ اس باغ سے چلو
کہتی ہیں حسرتیں کہ ہمیں ساتھ لے چلو

رہ کر یہاں عبث ہے تلاش سکون قلب
اے رہروان ملک عدم بس چلے چلو

اک روز ہوگا قصۂ عمر رواں تمام
منزل بہت قریب ہے آگے بڑھے چلو

قصے بہت سنے جو حیات و ممات کے
دل نے کہا اسے بھی ذرا دیکھتے چلو

تیار ہم بھی بیٹھے ہیں چلنے کو ہر گھڑی
بس انتظار ہے کوئی آتا کہے چلو

جولائی سنہ ۴۰ء

جہاں رندوں نے کی توبہ گئی انکی گنہگاری
گنہگاری سے بھی اے شیخ بد تر ہے ریاکاری

بچانا یا الٰہی ہم کو ایسے زہد و تقوے سے
زباں پر ہے خدا کا نام اور دل میں ہے عیاری

نہ ہو گر فرق تیرے ظاہر و باطن میں اے واعظ
ترا مطلب سمجھنے میں نہ ہو پھر کوئی دشواری

مسائل نے تیرے پیچیدہ کر ڈالا ہے بخشش کو
نہیں ہے اس طرح محدود ہرگز رحمت باری

دم پرسش گنہگاروں کو دیدار خدا ہوگا
خوشا قسمت کہ اس دن کام آئیگی گنہگاری

گنہگاروں کو جب دیدار حق ہو جائیگا حافظ
خدا کو دیکھنے کے بعد ہو سکتی نہیں ناری

اپریل سنہ ۳۴ء

انسدادِ مے نوشی

کیا خوب حکومت کا یہ دور ہے جمہوری
مسدود ہوئی دیسی بکنے لگی انگوری

قانون کرے قائم رندوں کے لئے تقویٰ
سب کام کرائے گی انسان سے مجبوری

دعویٰ ہے کہ لیبر کی حالت ہوئی آسودہ
پھر بھی یہی رونا ہے کافی نہیں مزدوری

پینے کی اجازت ہے سرحد سے ادھر جا کر
دوکان لگانے کی ملتی نہیں منظوری

ملتی ہے مریضوں کو مے مفت دوا بن کر
ثابت ہوئی اک رحمت بیمار کی معذوری

جب دل سے نہ ہو تقویٰ کیا اسکا بھروسہ ہو
مل جائیگا جب موقع ہو پھر وہی مخموری

مے سازی و مے نوشی ہیں ایک جگہ دونوں
مے خانہ و مسکن میں باقی نہ رہی دوری

چوری سے بناتے ہیں پیتے ہیں خموشی سے
جو بات ادھوری تھی وہ ہو گئی اب پوری

مارچ ۴۰ء

مسائل کی ہر اک پیچیدگی خوبی سے حل ہوگی
مدبر جمع ہیں اچھی طرح ان کی کھرل ہوگی

کہا جاتا ہے اکدن آئے گا زرین مستقبل
ہمیں معلوم ہے لیکن جو حالت اپنی کل ہوگی

یہی انصاف ہوگا نصف ہو جائینگی تنخواہیں
رقم جو ٹکس ہیں ہم آج دیتے ہیں ڈبل ہوگی

ابھی دکھ درد جا کر تم کلکٹر کو سناتے ہو
مگر پھر کونسل کی رائے جو ہوگی اٹل ہوگی

حکومت میں تمامی عیب جوئی آج تم کر لو
زباں سے پھر جو ایسی بات نکلے گی زٹل ہوگی

کڑھائی سے نکلتے ہی گریں گے آگ کے اندر
دکھا دیں گے تمہیں اکروز صادق یہ مثل ہوگی

ابھی خاموش رہ حافظ ذرا وہ دن تو آنے دے
زیادہ بات جو اس وقت ہوگی بے محل ہوگی

اگست ۳۳ء

زبانِ اُردو

ہندوستاں میں دھوم جو اردو زباں کی ہے
کیونکر ہنوز زبان وہ آخر کہاں کی ہے

اس کو کیا ہے شیخ و برہمن نے اختراع
اس کا وطن یہی ہے وہ ہندوستاں کی ہے

ہے آج کل لڑائی زباں کی جو ہند میں
ہر نقطۂ نگاہ سے صورت زیاں کی ہے

ہندی نژاد جائے کہاں ہند چھوڑ کر
پردیس میں رہے وہ زباں جو یہاں کی ہے

ہر اک کو چاہیئے کہ وہ ثابت قدم رہے
ہمت جواں رکھے یہ گھڑی امتحاں کی ہے

فضل خدا سے آئیگی پھر باغ میں بہار
یہ چند روز کے لئے حالت خزاں کی ہے

تارِ نفس مرا ہے حقیقت میں ریڈیو
رہتا ہوں میں زمیں پہ خبر آسماں کی ہے

اس میکدہ میں ہم رہیں محرم دبے زباں
ہم پر نگاہ خاص یہ پیر مغاں کی ہے

سمجھے ہوئے ہیں وہ مرے رونے کو اک ہنسی
اس ضد میں ایک روز خرابی جہاں کی ہے

حافظ زباں دراز نہ کہہ دے تجھے کوئی
اب اختصار کر یہی خوبی بیاں کی ہے

اکتوبر ۳۸ء

وکلاء

وکیلوں نے کیا ہے ناک میں دم انکا کہنا ہے
کہ دم نکلے تو اسکا روکنا بھی حبس بے جا ہے

ہمیشہ نفی اور اثبات پر یہ پولے حاوی ہیں
کچھری میں سنا جا کر وہاں قانون بھی لا[1] ہے

ہمیشہ تولتے ہیں فیس کو پہلے یہ میزاں میں
ضمیر انکا انھیں پھر عدل کی راہیں سجھاتا ہے

فنا ہے امتیاز حق و باطل موشگافی سے
نہیں اور ہاں نہوں دونوں نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے

تلاش حق میں ہوجاتے ہیں یہ خود سنگ راہ حق
عدالت میں زبانی کشتیوں کا اک تماشا ہے

فروری ۱۹۴۱ء

[1] قانون

خضاب

رنگ خضابِ شیخ کا کتنا سیاہ ہے — دل ہے ابھی جوان یہ اس کا گواہ ہے

باطن کا علم کس کو ہے اللہ کے سوا — اسبابِ ظاہری پہ ہر اک کی نگاہ ہے

ہوگا کبھی نہ چہرہ پہ ان کے طلوعِ نور — فکرِ مدافعت انھیں شام و پگاہ ہے

باقی ہے آرزو ابھی دل میں شباب کی — پیری کا روسیاہ جوانی کی چاہ ہے

ارمان دل میں اب بھی بہت کچھ ہیں موجزن — تصریح اس کی اس سے زیادہ گناہ ہے

مانا کہ زندہ دل کبھی ہوتے نہیں ضعیف — پیری نہیں ہے انکی فقط اشتباہ ہے

شوقِ خضابِ شیخ سے ہوتا ہے یہ عیاں — گو ریش ہے سفید مگر دل سیاہ ہے

فروری ۳۵ء

بے وفائی

دغا کرنے کو کل دنیا تہِ افلاک باقی ہے — وفا کے واسطے بس اک سگِ ناپاک باقی ہے

بڑا دعویٰ ہے جن کو اشرف المخلوق ہونے کا — کبھی سوچیں ذرا دل میں اگر ادراک باقی ہے

اخوت جن کا شیوہ ہے خدا رکھتا ہے خوش ان سے — وہ راحت میں ہیں اور مال و زر و املاک باقی ہے

جو قومیں متحد ہیں آج وہ دنیا کی مالک ہیں — ہمارے پاس بس دو کان ہیں اک ناک باقی ہے

بہارِ باغِ عالم ہوگئی اغیار کا حصہ — ہمارے واسطے اب بس خس و خاشاک باقی ہے

نتیجہ ہے ہمارے اختلاف و خانہ جنگی کا — جہاں کرتے تھے گل چینی وہاں اب خاک باقی ہے

گزرتی ہے ہماری مفلسی اور فاقہ مستی میں — نہ کھانا ہے نہ پینا ہے فقط مسواک باقی ہے

اپریل ۳۵ء

سوراج

ایک مدت سے سوراج کی تیاری ہے
ہر طرف اس کے لئے شور و شغب جاری ہے

فکرِ ذاتی میں گرفتار ہیں ہر جانب لوگ
خدمتِ ملک کے پردہ میں بھی عیاری ہے

انہیں ہر شخص کا دعویٰ ہے کہ میں لیڈر ہوں
ہم نوا جو نہ ہوئے ان کی بڑی خواری ہے

مشورہ کے بھی لئے ان کو اگر جمع کرو
جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہیں یہ دشواری ہے

دردمندوں کا نہیں ہے کوئی غم خوار کہیں
حرص و اغراض کی ہر سمت عملداری ہے

متحد ان کو بناؤ تو بکھرتے ہیں سوا
روز دل جوئی کے بدلے میں دل آزاری ہے

ان سے کیا ملک کی بہبود کی امید رکھیں
نہ رواداری ہے جن میں نہ ملنساری ہے

مختصر یہ ہے کہ جب تک نہ ہو اصلاحِ قلوب
دورِ جمہور بھی اک قسم کی بیماری ہے

اگست سنہ ۴۷ء

یورپ سے واپسی پر نوجوان کا ساز و سامان

پئے تحصیل جس دن تم علیگڈھ سے گئے یورپ
یہ سب کی آرزو تھی واپسی کا روز جلد آئے

بڑا ارمان تھا سب کو تمہیں لینے کو جائیں گے
مرادیں دل کی بر آئیں خدا وہ دن بھی دکھلائے

دعا سن لی خدا نے آئے واپس کامیابی سے
عطا ہر طرح تم کو کامرانی اب بھی فرمائے

عیاں ہوتی تھی چہرہ سے غضب کی فارغ البالی
صفائی دیکھ کر آئینہ بھی حیران ہو جائے

گلیڈ اسٹن[۱] تمہارا بیگ تھا ٹوپی بھی تھی کرزن[۲]
عجب انداز سے شانے پہ چیسٹر فیلڈ[۳] بھی لائے

تمہارا ساز و سامان ٹھیک تھا سب لیکن اے مسٹر
ہوئی مس ٹیک[۴] بس اتنی کہ تم اک مس بھی لے آئے

جنوری سنہ ۳۱ء

۱ قسم بیگ ۲ قسم ٹوپی انگریزی ۳ قسم کوٹ ۴ غلطی۔

مشرقی کا مغربی سے ہے فخریہ یہ کہنا

ہم نے پتنگ اڑائی ایروپلین سے پہلے

ہر روز آسماں سے ہوتی تھی برف نازل

جمتی تھی قفلیوں میں آئس مشن سے پہلے

رنگ سفید پر ہے رنگ سیہ کو سبقت

ہر روز رات اب بھی ہوتی ہے دن سے پہلے

گورے کو دیکھتے ہی بندر کہا تھا ہم نے

تحقیق میں تھے کامل ہم ڈارون سے پہلے

دسمبر ۱۱ء

حیات وہ ہے کہ انسان نیک کام کرے

اصول میں رہے بے باک اور خدا سے ڈرے

کسی کا دل نہ دکھائے کبھی نہ ہو غمگیں

ہر ایک حال میں ہر دم خدا کا شکر کرے

ہے خوش نصیب کی حافظؔ یہ مختصر تعریف

خوشی کے ساتھ جئے اور خوشی کے ساتھ مرے

مارچ ۱۰ء

تضمینات

آثار قدیمہ کا ایک منظر

بوقت شام جو کل اپنے گھر سے میں نکلا ۔ برائے سیر روانہ ہوا سوئے صحرا

چہار سو تھا مرے گرد ایک سناٹا ۔ ہر ایک چیز تھی خاموش ہو کا عالم تھا

گیا تھا چند قدم ہی کہ سامنے میرے ۔ عمارتوں کا بڑا سلسلہ نظر آیا

گیا قریب تو دیکھا یہ ماجرائے عجیب ۔ مکاں ہے اور مکیں کا نہیں ہے کوئی پتا

سبق تھا ہر در و دیوار چشم عبرت کو ۔ ہر اک سے کرتے تھے نامہری فلک کا گلا

ہے بے ثبات یہ دنیا کی دولت و ثروت ۔ زبان حال سے کہتی تھی خامشی گویا

نظر پڑا مجھے اک مقبرہ بھی تھوڑی دور ۔ گیا جو پاس بہت منہدم اسے پایا

لحد پہ عود نہ بتی نہ پھول اور چادر ۔ شکستہ قبر کا سنگ مزار بھی تھا جدا

گیاہ خشک تھی گنبد پہ شق تھیں محرابیں ۔ نہ کنگرے ہی تھے ثابت کلس بھی تھا ٹوٹا

بڑھا جو آگے نظر آیا ایک قصر مجھے ۔ شکوہ شان و نفاست میں ہر طرح یکتا

کبھی تھا جس میں سلاطین مغلیہ کا جلال ۔ کبھی تھا سارے زمانے میں دبدبہ جس کا

ہوا ہے آج وہ دنیا میں اس طرح تاراج ۔ کہ بوم ہوتا ہے ہر شام اسمیں نغمہ سرا

نہیں ہے اب خس و خاشاک کے سوا اس میں ۔ وہ باغ شہرہ تھا عالم میں جس کی خوبی کا

خزاں کے بعد نہ آئی بہار بار دگر ۔ جو ایک بار ہوا خشک پھر ہوا نہ ہرا

تھی تھوڑے فاصلہ پر اک بلند مسجد بھی ۔ شکوہ شان میں جس کا نہیں کوئی ہمتا

فلک سے کرتے تھے باتیں منارہ ہائے بلند
اٹھا کے ہاتھ وہ گویا یہ کر رہے تھے دعا

فدا تھے نام پہ تیرے کدھر گئے وہ لوگ
جنھوں نے آ کے عقیدت سے میری ڈالی بنا

وہ دن بھی پھر آئے یہ مسجد دوبارہ ہو آباد
خدا کے نام کا پھر اس مکاں میں ہو چرچا

کوئی ملا نہ مجھے جس سے پوچھتا احوال
اسی تلاش میں ہر چند دور تک میں گیا

نظر پڑا مجھے پیرانہ سال ایک شتر
بہت نحیف و نزار اور جسم زخمی تھا

تھی اس میں ضعف کے باعث نہ طاقتِ رفتار
اور اک جگہ ہی تھا مدت سے خستہ حال پڑا

میں نے پوچھا کہ کیا حال ہے ترا اے دوست
کہاں ہے فاتحِ عالم وہ قافلہ تیرا

ترا قدم کبھی عالم میں تھا نشانِ ظفر
کدھر گیا ترا راکب تجھے یہاں چھوڑا

ترا ورود ہوا حشمت و جلال کے ساتھ
تباہ حال یہاں کیوں پڑا ہے یوں تنہا

مرا سوال یہ سن کر وہ ہو گیا بے تاب
اک آہ سرد کے ساتھ اس نے یہ جواب دیا

"نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں
لگا کے آگ جسے کارواں روانہ ہوا"

نومبر ۳۳ء

ہوئے ہیں حیرت زدہ فرشتے فلک پہ چرچا ہے اس زمیں کا
ریا و مکر و دغا و سالوس بن گیا ہے شعار دیں کا

ہے دردمندوں سے بے نیازی تنک مزاجی و ترشروئی
دوائے غم کیسے ہو کسی کی مزا ہو جب تلخ انگبیں کا

نہ دشمنی میں کوئی متانت نہ دوستی میں ہے استقامت
جو وقت آئے تو سب سے پہلے شکار ہوتا ہے ہم نشیں کا

ستم کئے ہیں بہت چھپا کر وہ صاف اک دن ہونگے ظاہر
وہاں سیاہ جو پیش ہوگا ہمارے آپس کے بغض و کیں کا

ضرور ہوگی ہمیں خجالت اور اپنے اعمال پہ ندامت
زباں اس وقت گنگ ہوگی نہ ہوگا یارا چناں چنیں کا

ستم کی عادت سے باز آؤ بری ہے فریاد غمزدوں کی
خدا بچائے کوئی نہ دیکھے اثر کبھی آہ آتشیں کا

"قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

دسمبر ۶۳ء

ہوئی جب فلک سے بارش تو خم شراب الٹا

یہ بہار میکدہ ہے کہ ہوا خراب الٹا

کبھی کی کسی سے نیکی تو بدی تھا اس کا بدلہ

گئے جب ثواب کو ہم تو ملا عذاب الٹا

کبھی عدل ہم نے چاہا تو ہوئے ہیں خشک دریا

کبھی یہ بھی ہو گیا ہے کہ بہا ہے آب الٹا

کوئی دادرس نہیں ہے کریں کس سے شکوہ جا کر

گئے جس سے عرض کرنے تو ہوا عتاب الٹا

جو سنائی اس کو جا کر کبھی درد کی کہانی

ہے گلہ تمہاری عادت یہ ملا جواب الٹا

اسے درد سر ہوا ہے مرے درد کے بیاں سے

مرا غم سنا تو اس کو ہوا پیچ و تاب الٹا

ہے جہاں میں بے وفائی اور اسی کی قدر بھی ہے

جو بغور ہم نے دیکھا تو ہے کل حساب الٹا

"یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا"

جولائی ۳۹ء

یاد آیام گزشتہ

ہائے وہ ایام طفلی جب غم دنیا نہ تھا — اور خیال دوستی و دشمنی آتا نہ تھا

آج کیسے یاد آتے ہیں وہ بیفکری کے دن — جب غم ماضی نہ تھا اندیشۂ فردا نہ تھا

ہر طرح آلام دنیا سے سبک خاطر تھے ہم — دل غم و رنج و تعب سے مطلقاً بیگانہ تھا

وائے ایام جوانی رات دن تھا اک خمار — اور ہمارا اس زمیں پہ ہر قدم مستانہ تھا

باغ عالم کی ہوا ایسی سرور افزا ہوئی — ہر گل نرگس ہمارے واسطے پیمانہ تھا

روز ہنگامے تھے حسن و عشق کے پیش نظر — ہر گل تر پہ فدا ہونے کو دل دیوانہ تھا

عشق سوزاں کی لگی رہتی تھی اک لو رات دن — مضطرب رہتا تھا دل اور صورت پروانہ تھا

ہم تھے مست بیخودی اور ہو گیا رخصت شباب — کھول کر آنکھیں جو دیکھا ہر طرف ویرانہ تھا

وقت پیری ہے جوانی کا یہ قصہ مختصر
"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"

نومبر ۳۸ء

سیاسی شطرنج

دنیا میں پیش آئے گا ہر ایک کو ضرور
جو کچھ کہ ہو گیا ہے مشیت سے سرنوشت

ہے پالیٹکس[لہ] بازی شطرنج اندنوں
مسلم کی راہ بند ہے ہر طرف سے کشت

کیسے برادران وطن سے ہو اتحاد
جب راہ پر سروں پہ گریں پارہ ہائے خشت

قائم ہو اشتراک عمل کس طرح یہاں
دلجوئی کے طریق ہیں ایسے زبون و زشت

ملکی فلاح کے لئے دل چاہیے وسیع
یکساں ہو جس کو مسجد و بتخانہ و کنشت

سوراج اس طرح جو ملے بھی طفیل ہیں
ہم کو قبول ہو یہ ہماری نہیں سرشت

وہ زندگی ہے ہیچ نہ ہو جس میں اپنی قدر
سعدی ہیں سخن یہ گلستاں چہ خوش نوشت

"حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت"

جولائی ۳۲ء

[لہ] سیاست

اپنے ہاتھوں سے ہم ہوئے برباد

وہ زمانہ ہے خوب ہم کو یاد — صفحۂ دہر ہم سے تھا آباد

خوب آرام سے گزرتی تھی — چہرے بشاش اور دل تھے شاد

غم ماضی نہ فکر استقبال — سارے جھگڑوں سے رہتے تھے آزاد

اپنی کٹتی تھی عیش و عشرت میں — یہ نہ سوچا کرے گی کیا اولاد

آج روتے ہیں خستہ حالی پر — اپنا اسباب خودکشی نہیں یاد

اپنے ہاتھوں سے خود تباہ ہوئے — اور گلہ ہے فلک کی ہے بیداد

خانہ جنگی شعار تھا اپنا — گھر میں میراث بن گیا تھا فساد

کٹتے مرتے رہے جو ہم باہم — دشمنوں کی بر آئی دل کی مراد

بھاگتے تھے علوم سے کوسوں — مرغ بازی کے فن میں تھے استاد

لذت علم کو سمجھتے کیا — ہاں تو بگڑا ہوا تھا منہ کا سواد

روز سنتے تھے اور پڑھتے تھے — ذکر شیریں و قصۂ فرہاد

ان فسانوں نے کر دیا بے چین — ہو گیا مضطرب دل ناشاد

کہیں ابرو تھے خنجر براں — کہیں مژگاں تھے نشتر فصاد

کہیں گیسو تھے افعی پیچاں — کہیں رخسار دشنۂ جلاد

عاشقانہ طبیعتیں تھیں غضب — اور اسپر تھا شاعری کا ضماد

دلِ ناداں سے ضبط ہو کب تک — مضغۂ گوشت تھا نہ تھا فولاد

دل کے ناسور کھل گئے آخر — مدّتوں کا بھرا ہوا تھا مواد

اب درستی کی کوششیں ہیں عبث — گھنی لکڑی کہیں چڑھی ہے خراد

کچھ کسی سے گلہ نہیں ہم کو — اپنے ہاتھوں سے خود ہوئے برباد

"ہر کس از دست غیر نالہ کند

سعدی از دست خویشتن فریاد"

دسمبر ۱۲ء

ڈھاکہ یونیورسٹی کی تجویز کی مخالفت

خوب ہی جھگڑے رہے بنگال کی تقسیم پر
ہر طرف ہوتی تھیں تقریریں بڑی افلاک دوز

تھی مسلمانوں کی بہبودی کی اس میں کچھ امید
اس لئے سنتے رہے ہم ساری باتیں قلب سوز

کر دیا سرکار نے الحاق پھر بنگال کا
ہو کے روشن ہو گئی خاموش شمع شب فروز

ہم یہ سمجھے تھے ہوا الحاق سے قصہ تمام
کیا لکھیں قسمت میں اپنی نت نئے جھگڑے ہیں روز

پھر ہوئی ڈھاکہ میں جب تجویز یونیورسٹی
اس کو بھی اغیار ہر جانب لگے کرنے اپوز[1]

یار لوگوں نے مچایا پھر وہی شور و شغب
ہو گئی بنگال کی ساری پوئٹری[2] پھر پروز[3]

"ایکہ گفتی جاں بدہ تا باشدت آرام دل
جاں بہ غم ہائے سپردم نیست آرامم ہنوز"

دسمبر ۱۹۱۲ء

[1] مخالفت کرنا [2] نظم [3] نثر۔

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

ولایت سے مرے اک دوست لا آئے بت سیمیں تن و گلفام و طناز
نہ سوچا ہوگا کیا انجام اس کا بہت دلچسپ تھا الفت کا آغاز
یہاں داخل ہوئے سوسائٹی میں ہوا جس سے فزوں کچھ ان کا اعزاز
محبت سے فدا ہوتے تھے اس پہ اٹھاتے تھے ہزاروں ناز پر ناز
اعزا سے رہی لیکن جدائی خدا کے فضل سے وہ بھی تھے ممتاز
تعجب کیا ہے اس بے گانگی میں جدا ہیں ہر جگہ کے طرز و انداز
ہوئیں سب کوششیں بے سود انکی کھلا تب راز قولِ مردِ شیراز

"کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز"

جولائی ۱۳ء

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

سرکار نے جو کھول دئے عام مدرسے
تحصیل علم کا ہوا شائق ہر ایک کس

بابو ہوا کوئی کوئی پڑھ کر ہوا وکیل
حاصل نہ تھا جنھیں کبھی انسانیت سے مس

سر جن بنا کوئی تو کوئی ڈاکٹر ہوا
بی اے ہزاروں ہونے لگے پاس ہر برس

بنگلے بنائے لوگوں نے بیرون شہر دور
اپنے پرانے گھر نظر آنے لگے قفس

جب چین سے گزرنے لگی سب کی زندگی
پیدا ہوئی دلوں میں سوا راج کی ہوس

ملکی معاملات میں دینے لگے وہ رائے
جن کو نہ پالیٹکس میں تھا کچھ بھی دسترس

بی اے ہوئے جو پاس تو گویا بہک گئے
تعلیم ان کے حق میں ہوئی بھنگ اور چرس

ماں باپ کا لحاظ نہ استاد کا ادب
کہہ دے جو کوئی ایک سنائیں یہ اسکو دس

بی اے ہوا جو ہر کس و ناکس تو کیا ہوا
سعدی نے سچ کہا تھا یہ ہے اسکا قول بس

"باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس"

جنوری ۱۱ء

ہندوستان کے اسلامی اوقاف

تھے مدتوں سے تباہی میں ہند کے اوقاف
ہزار طرح کی بدنظمیاں تھیں اور اسراف
خلاف قاعدہ تھا گرچہ بیشتر مصرف
طویل ریش کا اس پر پڑا ہوا تھا غلاف
سمجھتے تھے متولی کہ ہیں وہی مالک
تمام آمدنی ان کے واسطے ہے معاف
یہ حال دیکھ کے اک شور و غل ہوا برپا
حساب دے متولی بھی ازرہ انصاف
اسمبلی نے مرتب کیا نیا قانون
کہ مال وقف کبھی خرچ ہو نہ اس کے خلاف
اگرچہ ہے متولی کا اب بھی بندوبست
یہ وقف ایکٹ نے ہر اک سے کہدیا ہو صاف
"تواں بہ حلق فرو برد استخوان درشت
ولے شکم بدرد چوں بگیرد اندر ناف"

اکتوبر ۱۹۳۳ء

آرزو ہے برہمن اور شیخ میں ہو جائے میل
دیکھئے تجویزیں ساری پاس ہوتی ہیں کہ فیل

سخت مشکل یہ ہے مسلم ہے غریب و تنگدست
برہمن ہے علم میں بھرپور دولت ریل پیل

شیخ میدانمیں نہ ہوگا برہمن کا ہم عناں
لنگڑی گاڑی ہیں کہاں سے آئیگی رفتار میل

اسپ تازی میں نہ دیگا ساتھ یہ بوڑھا عرب
اس بڑھاپے میں کہاں سے لائے بیچارہ کلیل

سوچ کر اے شیخ رکھنا تو سیاست میں قدم
شورش بنگال کی شرکت نہیں لڑکوں کا کھیل

اے مسلماں بس خموشی میں ہی تیری عافیت
ڈر ہے اس جھگڑے میں تیری سر نہ پڑجائے دلیل

دیکھنا اے اونٹ خندق ہے بڑی لغزش بہت
ساتھ ہو لیتا ہے اس کے جو کوئی پکڑے نکیل

بات تو کرتا ہے ایسی جس کا سر ہے اور نہ پاؤں
کام بھی تیرے ہوا کرتے ہیں اندھے کی غلیل

بندہ اخلاص رہ اور کہدے تو یہ صاف صاف
صلح کل ماٹو[1] ہے تیرا ہے ترا ہر اک سے میل

"کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست"

جنوری سنہ ۱۱ء

[1] وہ مقولہ جو دستور العمل بنالیا جائے۔

چشم عبرت کر کے وا دیکھو ذرا قسمت کا کھیل — اک تماشا ہی عجیب ہی گردنِ خر میں ہمیل

ہو گیا ہے ہر طرف اعلیٰ پہ اسفل کو عروج — روغنِ تل سی بھی روشن ہی سوا مٹی کا تیل

سوچتے تھے کل جو دنیا میں کہاں رکھیں قدم — پاس کر کے ہو گئی قسمت سی وہ بی اے بی ایل

لے کے سستا مال بن جاتی ہیں جنٹلمین سب — نصف قیمت پر جو رن بٹینٹ[۱] کا ہو جاتا ہی سیل

مے خوری نے زہد و تقویٰ سے لیا ہے انتقام — محتسب کی گھر پہ ڈالی میکدہ کی داغ بیل

باغ سے غائب ہوئی بیلے چمیلی کی بہار — عطر کی خوشبو پہ غالب ہو گئی بوئے فنیل

بھر گئی سب کے دماغوں میں لونڈر کی ہوا — ہو گئے بے قدر بالکل ہر طرف عطر اور پھلیل

بی بیوں کو ہو گئی ایسی ہوا خوری پسند — گھر کے اندر بیٹھنا ان کے لئے گویا ہے جیل

ہے قیامت خیز اب لیلائے ہندی کا خرام — پُر تکلف ریشمی ساڑی پہ ہے مخمل کی بیل

سفر جٹ[۲] کو دیکھ کر ہوتا ہی اکثر دل میں خوف — کیا عجب یہ عورتیں ڈالیں جو مردوں کے نکیل

ہو گیا ہی سارے عالم کا تہ و بالا نظام — اسپ ہے افسردہ دل اور خر کو سوجھی ہی نکیل

"کونڈی جھنکے کو سجا اور دیکھ ٹک قدرت کا کھیل
چھوڑ سب دنیا کے جھگڑے بھنگ پی اور ڈنڈ پیل"

جنوری سنہ ۱۱ء

۱؎ مشہور دکان ۲؎ حقوق طلب لیڈیاں جو انتہا پسند ہیں۔

معکوس ترقی

ترقی کی ہوئی ہر قوم کو فکر
ہوا چلنے لگی مغرب کی جب دم

کوئی افضل ہوئے علم و ہنر میں
کوئی بڑھ کر ہوئے دھوتر سے ریشم

بنے کلن پہن کر سوٹ ولیم
مسلمانوں نے بھی بدلے پر و بال

گھسیٹی نے بھی اپنا ٹھاٹھ بدلا
نظر آنے لگیں کلو بھی مریم

ہوئی پوڈر کی چہرہ پر وہ بھرمار
نظر آنے لگا دیوار شیشم

گماں سب کو ہوا موتی جڑے ہیں
کبھی چمکی دھتورے پر جو شبنم

وہ نغمہ ہو گیا بوٹوں سے پامال
رہی جھنکار چوڑی کی نہ چھم چھم

ادھر خوش رنگ نکٹائی کا جوبن
ادھر لیڈیز کے گیسوئے پر خم

چرٹ سلگا ہوا منہ میں دبا کر
ہوا خوری کو نکلے دونوں باہم

تماشہ جا کے دیکھو ہوٹلوں میں
ہر اک کے ہاتھ میں ہے ساغر جم

معاذ اللہ وسکی اور برانڈی
انھیں بڑھ کر ہوئیں از آب زمزم

بہت طرفہ ہوئی ہے یہ ترقی
نہ فکر دیں نہ دنیا کا کوئی غم

لیاقت کچھ نہیں رکھتے ہیں لیکن
یہ جنٹل مین ہونے کا بہت دم

دو سطریں بھی جو انگریزی میں لکھیں — نہ املا ٹھیک ہو ان کا نہ اڈیم[۱]
بہت کچھ وارنش سب نے لگایا — جہالت کی نہ تاریکی ہوئی کم
غرض حالت ہماری یہ ہوئی ہے — کہ صادق آتا ہے سعدی[۲] کا ڈکٹم[۳]

"جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"

جون ۱۹۱۰ء

۱؎ محاورہ زبان ۳؎ مقولہ۔

شوقِ اختصار

ہر ایک کو جنوں ہے جو قطع و برید کا
اس شوقِ اختصار سے یاں دم ہے ناک میں

دستار و جبہ پوشش پارینہ ہو گئے
فیشن جدید آتے ہیں ہر روز ڈاک میں

کرتے ہیں لوگ جامۂ وضعِ کہن کو ترک
طرزِ قدیم ہو گئی پامال خاک میں

جدّت پسند مفتی و قاضی بھی ہو گئے
ہر روز اختصار ہے اب ریشِ پاک میں

لغزش ہوئی ہے شیخ کو یا رب بچائیو
بیٹھی ہے دخت رز بھی بہت دن سے تاک میں

جب پڑ گیا ہو دامن و دستِ جنوں میں بیر
مشکل ہے اس مقابلہ خوفناک میں

مدت ہوئی کہ گیسوئے جاناں تھے مختصر
ہے اختصار دونوں طرف سے فراک میں

"اب کے جنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں"

مارچ ۲۸ء

حب وطن

وہ زندگی بھی کیا ہے جو گزرے حزن کے ساتھ / دن رات جس کے کٹتے ہوں رنج و محن کے ساتھ

واعظ تو دیکھتے رہے بس شکل ظاہری / افسوس یاں بدل گئے ہم پیرہن کے ساتھ

ایسا عظیم قلب کا دیکھا نہ انقلاب / جوہر گئے تمام ہمارے چلن کے ساتھ

حالات حاضرہ پہ توجہ نہیں ذرا / اب بھی وہی ہے وعظ طریق کہن کے ساتھ

حق بات کہہ رہا ہوں ذرا غور سے سنو / دیکھو گرہ میں باندھ کے رکھو حقین کے ساتھ

تحصیل زر کے واسطے میدان جنگ میں / کس کس نے بیوفائی کی اپنے وطن کے ساتھ

جبتک ہے گل کی زیست ہے خوشبوئے گل کا لطف / ہوتی نہیں وہ ختم حدود چمن کے ساتھ

انسان وہ ہے دل میں رہے جس کے درد قوم / "جب تک کہ روح کا ہے تعلق بدن کے ساتھ"

دل وہ ہے جس میں حب وطن موجزن رہے / ہم متفق ہیں شاعر شیریں سخن کے ساتھ

"گندم ہے سینہ چاک فراق بہشت میں
آدم کو کیا نہ ہوگی محبت وطن کے ساتھ"

ستمبر ۳۳ء

"بہ آب زمزم و کوثر سپید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ"

یہ خاص رنگ ہیں دنیا میں دو سفید و سیاہ
ہر اک صبح اب کی صورت دوم ہے شکل گناہ

ہر فرق مشرق و مغرب کا رات اور دن میں
ہر ایک ملتے ہیں دونوں بوقت شام و پگاہ

کمیشن آئی جو لندن سے سب کو تھی امید
ہمارے حالِ زبوں پر ضرور ہوگی نگاہ

تمام ہند میں گھر گھر یہ ذکر ہونے لگا
ضرور پائیں گے کلن بھی عہدۂ ذیجاہ

بقدر خویش لگایا ہر اک نے اپنا زور
ہر ایک صوبہ سے اشخاص آئے بن کے گواہ

کسی نے جا کے غرض واں کلکٹری مانگی
کسی نے عرض کیا ہو اضافۂ تنخواہ

کہا کسی نے کہ بچپن کی قید ہے دشوار
ہمارے واسطے پنشن کی عمر ہو پنجاہ

یہ رونے گائے بہت روبرو کمیشن کے
مگر وہاں کوئی کرتا تھا اس کی کب پرواہ

زباں سے بات نکلنا ہی ہو گیا مشکل
مخالفت وہ بلا کی ہوئی معاذ اللہ

بہت طویل جرح تھی ہر اک گواہ کے ساتھ
وہ سلسلہ تھا سوالات کا خدا کی پناہ

کسی نے رائے دی فرلو کا رول ہو منسوخ
فضول سال میں ملتی ہے رخصت یک ماہ

گئے تھے مانگنے خلعت یہ ہم نہ سمجھے تھے
کہ کھو کے آئیں گے بدقسمتی سے سر کی کلاہ

لگایا زور بہت کچھ ہر اک نے جا کے وہاں
مگر بدل نہیں سکتا ہے کوئی حکم الٰہ

نہیں ہمارے لئے انڈین سول سروس
کہیں ہوا ہے بھلا کوہ کے برابر کاہ

نہ کر سکیں گے فرنگی کی ہمسری زنگی ۔۔۔ کہاں نبات سفید اور کہاں یہ قند سیاہ

اگرچہ دامن امید ہے وسیع بہت ۔۔۔ ہمارا کاسۂ قسمت ازل سے ہے کوتاہ

وہی ہوا جو لکھا تھا ہماری قسمت میں ۔۔۔ بغور دیکھا تو سعدیؒ نے سچ کہا تھا آہ

"بہ آب زمزم و کوثر سپید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ"

دسمبر ۱۳ء

مغربی فیشن

ہوئے ہیں لوگ ایسے آجکل فیشن کے گرویدہ
لباس مختصر ہے سب کی آنکھوں میں پسندیدہ

حسینوں کا یہ کہنا ہے مقیّد کیوں رہیں گھر میں
خدا نے حسن بخشا ہے رہے پھر کیوں وہ پوشیدہ

نہ اب گھونگھٹ کی عادت ہے نہ برقع کی ضرورت ہے
بدن ہے نیم عریاں اور گیسو ہیں تراشیدہ

نہ اب وہ زلف جاناں ہے نہ اسکا پیچ و خم باقی
ادھر غائب ہے فرق شیخ سے دستار پیچیدہ

نئی تہذیب نے دنیا کو اوور ہال کر ڈالا
طریقے عاشقی کے ہو گئے ہموار و سنجیدہ

مہیا ہر گلی کوچہ میں ہیں تفریح کے ساماں
وہ بد قسمت ہے جو اس دور میں رہتا ہے رنجیدہ

جناب شیخ سے بوتل میں چھپ چھپ کر یہ عمازی
تری یہ کم سنی اے دخت رز اور یہ ترا دیدہ

نہیں ہے ایک جو محفوظ ہو اس دور رنگیں میں
مزے لیتا ہے واعظ بھی مگر پوشیدہ پوشیدہ

تماشا ہے عجب ہے چلتے ہیں زاہد بھی کترا کر
"نگہ دزدیدہ دزدیدہ قدم لغزیدہ لغزیدہ"

روانی اسطرح کی آگئی تبدیل فیشن میں
کہ کل تزئین سر اک شب میں ہو جاتی ہے بوسیدہ

نومبر ۳۴ء

"اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی"

وہ دن گئے سرور کی وہ رات بھی گئی
تم کیا گئے وہ صورت حالات بھی گئی

ہوٹل میں لوگ کرتے ہیں دعوت کا انتظام
اب دوستونکی گھر میں مدارات بھی گئی

ذوق کباب گرم برہمن کو ہو گیا
کھونے کی انتہا بھی ہے اب ذات بھی گئی

پی کر سکاں میں مست پڑا ہے جو رات دن
ان حرکتوں سے شیخ کی اوقات بھی گئی

افسوس ہے برج میں گیا دن پہاڑ سا
ٹاکیز میں گئے تو وہاں رات بھی گئی

چندوں کے ہر طرف سے ہوئے اس قدر سوال
جو کچھ رہی سہی تھی وہ خیرات بھی گئی

پہلے تو سیدوں میں کرامات تھیں بہت
خفیہ پولس میں جانے سے وہ بات بھی گئی

سید کو آرزو ہے کہ خاں صاحبی ملے
"اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی"

جنوری ۲۸ء

پردہ اور نئی روشنی

شیخ کی عمر کٹی گوشۂ عزلت میں تمام — ایک دن آکے نہ دیکھا کہ یہ دنیا کیا ہے
ذکر محراب و مصاحف میں یہ عقدہ نہ کھلا — ابروئے یار ہیں کیسے رُخ زیبا کیا ہے
جی میں اک روز سمایا کہ ذرا دیکھیں تو — لوگ کہتے ہیں جسے حسن وہ ہوتا کیا ہے
بیبیاں ہند کی دیکھیں جو حجاب آلودہ — کچھ سمجھ میں نہیں آیا یہ معمہ کیا ہے
شوق کے ساتھ تجسس ہوا دل میں پیدا — نئی تہذیب کے پردہ میں تماشا کیا ہے
اک جھلک دیکھتے ہی ہو گئے سِرّ ازعیاں — حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا کیا ہے
رفتہ رفتہ گئے ٹاکیز بھی احباب کے ساتھ — دیکھنا تھا کہ وہاں حسن کا جلوہ کیا ہے
واں تصاویر کو سرگرم تعشق پایا — متحیر ہوئے یارب یہ تماشا کیا ہے
تازگی آ گئی لیکن دل پژمردہ میں — ہوا معلوم کہ اعجاز مسیحا کیا ہے
ایسے بے خود ہوئے سب بھول گئے حور و قصور — آج ملتا ہو تو پھر وعدۂ فردا کیا ہے
ان کو بیتاب جو دیکھا تو کسی نے پوچھا — "شکل تصویر ہو خاموش تماشا کیا ہے"
بے قراری ہے یہ کیسی یہ ہے کیوں بے چینی — "بیٹھے بیٹھے کھچے جاتے ہو یہ نقشا کیا ہے"
ساقی سیمیں پہ جو اک بت کے نظر ان کی پڑی — "جلوہ یار پکارا ابھی دیکھا کیا ہے"
کیا تماشہ ہے یہ چہرہ پہ نقاب اور گھونگھٹ — آپ نے حسن خداداد کو سمجھا کیا ہے
ہو گئیں قصہ کہانی وہ پرانی باتیں — تم کو معلوم نہیں رنگ زمانہ کیا ہے
ہر طرف آج ہیں دنیا کے خیالات بلند — نئی تہذیب کا ہر ایک سے کہنا کیا ہے
شکل جس کی نہ ہو اچھی وہ رکھے پوشیدہ — اچھی صورت کے لئے حاجت پردا کیا ہے

اکتوبر سنہ ۳۱ء

تلقینِ عمل

زمانہ ہر قدم پر اک سبق ہم کو پڑھاتا ہے — نتیجہ غفلت و محنت کا ہر اک کو دکھاتا ہے

تساہل اور غفلت پیش خیمہ ہے تباہی کا — فقط آرام کا خواہاں بڑی ذلت اٹھاتا ہے

خدا کا لطف یکساں ہے ہمیشہ اسکے بندوں پر — اٹھائے جو مشقت وہ صلہ محنت کا پاتا ہے

اگر تحقیق سے دیکھو ہر اک کی زندگانی کو — یہاں ہر شخص آکر اپنی دنیا خود بناتا ہے

زمین شور بھی گلزار بنجاتی ہے محنت سے — جہاں تکلیف ہوتی ہے وہاں پھر عیش آتا ہے

حصول عیش دنیا میں نہیں ہوتا ہے بے محنت — کہ در ہوتا ہے وا اس پر جو اس کو کھٹکھٹاتا ہے

مثال روز و شب ہے یہ تواتر رنج و راحت کا — خدا تکلیف سے بندوں کو اپنے آزماتا ہے

عمل سے دور رہکر ہے عبث تقدیر کا شکوہ — فلک بھی دیکھ کر بیکار لوگوں کو ستاتا ہے

مسلمانو نہو مایوس مد و جزر عالم سے — ذرا محنت کرو دیکھو خدا پھر کیا دکھاتا ہے

"عجب نقشہ ہے نقاش ازل کی بھی طبیعت کا
بناتا ہے مٹاتا ہے مٹاتا ہے بناتا ہے"

فروری ۳۳ء

الکشن

امیدوار ہوں کونسل کی ممبری ہو جائے
عطا ہو ووٹ مجھے بندہ پروری ہو جائے

ہر ایک کام میں افسوس ہیں رہا ناکام
خدا کرے اسی حیلہ سے بہتری ہو جائے

بہت دنوں سے پریشاں ہوں بے زری کے سبب
اسی ذریعہ سے شاید تونگری ہو جائے

بہارِ زیست ہے اس ممبری سے وابستہ
مری یہ شاخِ تمنّا ہری بھری ہو جائے

یہ آرزو ہوئی پوری تو ہو گی پھر کوشش
کسی طرح مجھے حاصل منسٹری ہو جائے

جو ہو گیا کبھی قسمت سے ہوم ممبر میں
عجب نہیں ہے کسی دن گورنری ہو جائے

"خدا کی دین کا موسے سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے"

جون ۳۶ء

سارے عالم پہ ہوا تہذیب مغرب کا اثر
شیخ بچتے اس سے کب تک وہ بھی آخر ہیں بشر
پہلے گرد و پیش رہتا تھا مریدوں کا گروہ
ساتھ ہیں والنٹیر ہیں اب بصد شان و شکوہ
وہ شریعت کے مسائل وہ تصوف کے نکات
اب بھلا کیا ذکر انکا ہے گئی گزری وہ بات
رہتے ہیں ملکی مسائل ان دنوں پیش نظر
تھے کبھی واعظ مگر اب ہو گئے ہیں لکچرار
شام کو ہونے لگی ہر روز جب سنیما کی سیر
مختصر تسبیح کتی ہوتا گیا کم ذکر خیر
چند شیدائی کلک کے ایک دن پہونچے قریب
دور سے دیکھا انھوں نے اک تماشائے عجیب
ساغر رنگیں کے پردہ میں مقدس ریش تھی
حلقہ اہل عقیدت میں بڑی تشویش تھی
"دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما"

مارچ ۱۹۳۱ء

درِ مے خانہ پہ رہتا ہے تماشائے عجیب — کوئی بے ہوش ہے اور ہے کوئی مستی کے قریب

کوئی ہے محوِ ترنم کوئی مصروفِ کلام — ہے زباں پہ کہیں تحسین کہیں ہے دشنام

ایک تنہا کہیں بیٹھا ہے نہایت خاموش — دوسرا مجمعِ احباب میں پرجوش و خروش

ماندگی سے کوئی لیتا ہے کسی جا آرام — ہوتی ہے ایک محلہ کی کہیں نیند حرام

ایک حلقہ کے لئے ہے یہ نشانِ تہذیب — دوسروں کے لئے ہوتی ہے دلیلِ تخریب

لوگ پیتے ہیں اسی چیز سے جامِ صحت — تندرستی ہے کہیں اسکی بدولت غارت

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو — خوبیاں اسکی بیاں ہوتی ہیں انکو بھی سنو

حق ہیں بیمار کے ہوجاتی ہے دارو ئے لطیف — دردو تکلیف سے دیتی ہے مریضوں کو ریلیف

رنج و غم اس کی بدولت ہے دلوں سے کافور — فکر ہر وقت طبیعت سے رہے کوسوں دور

یہ صفت بھی ہے کہ جس شخص نے اک جام پیا — اس کے دل میں کبھی رہتا نہیں افسوس دریا

پختہ کار و نکے مزاجوں میں ہوا اس سے سرور — صرف کم ظرف کی ہوتا ہے طبیعت میں غرور

مے کی حرمت سے بلا شبہ بہت دنیا میں — مرتبہ دیکھئے اس شے کا مگر عقبیٰ میں

آپ ہی کہئے کہ جنت میں ہے اسکا کیا کام — جس جگہ اس کی ضرورت ہے وہیں ہے یہ حرام

اس کی تاثیر طبیعت کے مطابق ہے مدام — اس پہ رکھتے ہیں خرابی کا یہ ناحق الزام

"مے کہ بدنام کند اہلِ خرد را غلط ست

بلکہ مے می شود از صحبتِ ناداں بدنام"

فروری ۳۳ء

شرط گاندھی نے یہ آندھی سے بلا کی باندھی
تجھ سے بڑھ جائے گی ہر طرح ہماری آندھی

لاٹھیاں چلتی ہیں ہوتا ہے کبھی گولی فیر
ہیں غنیمت جو گزر جاتے ہیں ایام بخیر

مال دو ہم کو سودیشی نہ ہو وہ فارن میک
روز بازار میں جھگڑا ہے یہی ایک نہ ایک

کبھی آراستہ ہوتی ہے ادھر بزم ریفارم
دوسری سمت سے ہوتا ہے اسی وقت الارم

کبھی اجلاس کمیشن ہے کبھی کانفرنس
کبھی بنتے ہیں نئے ایکٹ نئے آرڈی ننس

وعدہ ہوتا ہے کہ ہم دیں گے حکومت فی الفور
سیمول ہور یہ کہتے ہیں کہ بھلا او رتو اور

ہند میں لوگوں کا لبریز ہے پیمانہ صبر
گھر کے آیا ہے مگر پھر بھی برستا نہیں ابر

ذمہ داری نہیں مرکز میں تو صوبہ میں سہی
دل ہے بے تاب جو ملتا ہے وہ مل جائے ابھی

اب تو بس عرض یہی ہے جو نہ ہو بے ادبی
"رحم فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی"

مارچ ۳۳ء

مثنویات

شادی بطرز جدید

پرانے قاعدے سب ہوتے جاتے ہیں ترمیم — کہ سد راہ ترقی نہ ہوں رسوم قدیم
نئے طریق سے ہوتی ہے آج کل شادی — ہے انتخاب کی دولہا دلہن کو آزادی
کسی زمانہ میں کرتے تھے والدین یہ فکر — نہیں ہے اب وہ طریقہ فضول ہے یہ ذکر
کہیں تلاش ہے مسٹر کی اور کہیں مس کی — عجیب شان ہے اب شادیوں کے نوٹس کی
ہے لطف اس میں ہوں سرگرم جستجو طرفین — کہیں تلاش ہو لیڈی کہیں ہو جنٹلمین
ہے آپ خط و کتابت سے طے کریں شرطیں — پسند کے لئے فوٹو بھی ساتھ میں بھیجیں
یہ اپنی اپنی خوشی ہے کسی کی کیا چوری — جو دونوں ساتھ کریں پارک کی ہوا خوری
کہیں تلاش ہے لیڈی بلند قامت کی — کہیں یہ شرط ہے جانے وہ علم موسیقی
یہ آرزو ہے پیانو بھی وہ بجاتی ہو — زہے نصیب اگر اس کے ساتھ گاتی ہو
بذات خود یہ لگائیں گے جا کے اپنی بات — عجیب شان سے نوشہ کی جائیگی بارات
نہ روشنی ہو نہ باجہ ہو ہے یہ سب کھڑاگ — چلے گا ساتھ میں دولہا کے صرف اک بلڈاگ
بجائے پان کے ہونگے سگار اور سگریٹ — بجائے سہرے کے نوشہ کے سر پہ ہوگی ہیٹ
پہن کے آئیں گے قاضی بھی اک شکاری کوٹ — نکاح خوانی میں انکو ملے گا چک یا نوٹ
رہی جو پیش نظر کل امور کی اصلاح — یقین ہے کہ بطرز جدید ہوگا نکاح
کہ چاکولیٹ بٹے گی بجائے خرمے کے — دلھن لگائے گی عینک بجائے سہرے کے
دلہن نہ جائیگی دولہا کے ساتھ اب سسرال — بیاہ ہوتے ہی بھاگیں گے دونوں نینی تال

جنوری سنہ ۱۱ء

ہندی مستورات پر فیشن کا اثر

ہمارے ملک میں کہتے تھے جن کو مستورات ۔ تغیرات نے انکے بدل دیے حالات

خدا نے حسن دیا ہے کسی کی کیا چوری ۔ حجاب و شرم کی عادت ہے ایک کمزوری

بدل کے ہو گئی عورت کی شکل مردانہ ۔ ہوا ہے مرد بھی صورت سے اپنی بیگانہ

ادھر منڈانے لگے ڈاڑھی مونچھ جنٹل مین ۔ ادھر حقوق طلب لیڈیاں ہوئیں بے چین

جو مرد بننے لگے عورتیں تھیئٹر میں ۔ تو عورتیں ہوئیں اُن کی جگہ پہ دفتر میں

ہیں سر پہ گیسوئے جاناں بھی اب خفیف و قلیل ۔ کیا ہے حسن نے پاؤں کو زیر جامہ طویل

ہوا پسند جو مردانہ طرز اور انداز ۔ رہا نہ سینہ عالم پہ کچھ نشیب و فراز

ہر ایک شکل سجاوٹ سے شاندار ہوئی ۔ خزاں بھی حسن میں ہم پلہ بہار ہوئی

حنا کا شوق ہے ان کو نہ پان سے رغبت ۔ ہے انکے ناخن و لب پہ مگر وہی رنگت

نہ انکی آنکھوں میں سرمہ ہے اور نہ کاجل ہے ۔ چمک ہے بالوں میں سر کے نہ زلف میں بل ہے

نہ چوڑیاں ہی رہیں ہاتھ میں کہ ہو جھنکار ۔ صدا نہ پانوں میں خلخال کی دم رفتار

پہن کے بوٹ کبھی گھر سے یہ نکلتی ہیں ۔ عجیب ناز سے پنجوں کے بل پہ چلتی ہیں

نگاہ قہر و غضب دونوں ہیں یہ بے باکی ۔ نہیں ہے پردہ سے گھونگھٹ کے انکی سفاکی

کسی کو قتل کریں بھی تو کچھ لگے نہ سراغ ۔ اب آستیں ہی نہیں ہے کہ جس پہ آئے داغ

اگست ۳۴ء

تحصیل مورسی ضلع امراوتی میں آبکاری کے نیلام کے چند واقعات کم و بیش

حافظ جب آبکاری کے بن گئے محافظ
اے حافظو تمہارا اب ہے خدا ہی حافظ

حافظ چلا ہے کرنے نیلام آبکاری
واعظ کو ہو گیا ہے سودائے ٹھیکہ داری

اک تیز انسپکٹر ہیں محتسب کے پوتے
پھرے کا دور دورہ ہو کیوں نہ انکے ہوتے

جب اختیار کر لی قاضی نے مے فروشی
ہو گی شراب نوشی کی خوب چشم پوشی

اللہ رے تقدس تسبیح ہاتھ میں ہے
اور ریش سے بظاہر ایماں بھی ساتھ میں ہے

پڑھ کر نماز آئے ہیں شیخ کا وضو ہے
روزہ ہے اور دل میں ٹھیکہ کی جستجو ہے

اس سے غرض نہیں ہے میٹھی ہو یا ہو کھٹی
دل میں لگی ہوئی ہے مل جائے ایک بھٹی

جب قاضیوں کو ایسے دیکھے گئے قرائن
چھپ چھپ کے لوگ گھر میں پیتے تھے پورٹ وائن

پہلے تو روز حیلہ کرتے رہے دوا کا
ٹٹی کی آڑ میں سے پھر دخت رز کو تاکا

اب نام کی رہی ہے دنیا میں دینداری
رونق میں روز افزوں ہے ہر طرف کلاری

افطار کر کے روزہ ہوتا ہے شغل وسکی
سمجھا ولا کہہ ان کو سنتا ہے کون کس کی

حافظ ترے سبب سے نیلام میں ہے برکت
ٹھیکوں کی بڑھ گئی ہے جو اسقدر یہ قیمت

قاضی پھریں گے لے کر تاڑی کی ایک ہانڈی
اور اپنے گھر میں رکھیں گے مولوی برانڈی

حافظ ولایت اللہ حافظ رہے نہ قاری
رمضان میں کیا ہے نیلام آبکاری

سنہ ۱۳ء

اُردو اخبارات میں اشتہارات کا رنگ

ہمارے ملک میں اُردو کے ہیں کئی اخبار — خدا کا رحم ہو سب اک مرض میں ہیں بیمار

جو ایک صفحہ پہ ان کے ہے نسخۂ تسخیر — تو دوسرے میں ہے تعریف دارُوئے اکسیر

کہیں عمل کہیں تعویذ ہے کہیں جادو — ملے گا جن کے ذریعے سے یار پر قابو

کسی کے پاس ہے معجون بو علی سینا — جو تازہ کرتی ہے فوراً قوائے پارینہ

دوائے خاص ہے ایسی جو کوئی اسکو کھائے — جوان پیر نہ ہو پیر نوجواں ہو جائے

کسی نے کی ہے مرتب کتاب با تصویر — ہے جس میں بوسہ کے فن کی بہت بڑی تفسیر

کسی کے پاس ہے نسخہ فقیر کامل کا — کسی کے پاس کرشمہ بزرگ عامل کا

ہمیشہ دیتے ہیں پیر و جواں کو نیک صلاح — کہ انکی کھائیں دوا کرلیں چار چار نکاح

خدا رسول کی دیتے ہیں سیکڑوں قسمیں — کہ ناظرین کو لائیں کسی طرح بس میں

حوالے دیتے ہیں اکثر یہ پختہ کاروں کا — کبھی اودھ کبھی دہلی کے تاجداروں کا

کسی نے کی ہے دوشیزہ کی ڈائری تیار — کیا ہے ہدیہ میں مطبع نے بھی بڑا ایثار

غرض ہے پیش نظر ملک و قوم کی اصلاح — اسی ذریعہ سے شائد ملے گی راہ فلاح

رہے گا اب کہیں باقی مرض نہ سستی کا — یہ انتظام ہے اخلاق کی درستی کا

فروری سنہ ۳۱ء

غیر سند یافتہ بیرسٹر اور خود ساختہ وکلا

ہر اک مقام میں رہتے ہیں چند ایسے بشر — یہ جن کا دعویٰ ہے بیرسٹروں سے ہیں بہتر

بٹھا کے گھر میں گواہوں کو ورغلاتے ہیں — دروغ خوب پڑھاتے ہیں اور سکھاتے ہیں

بڑا کمال ہے ان کو گواہ سازی میں — نہیں ہے کوئی برابر زباں درازی میں

مدام جنگ فریقین ان کی خدمت ہے — جو ہاتھ آئے کمیشن بتا غنیمت ہے

جو ایک بار پڑے لوگ ان کے پنجے میں — رہیں گے تا دم آخر وہ اک شکنجے میں

تباہ ہونے کو گویا وکیل کرتے ہیں — جو ہار جائیں تو آگے اپیل کرتے ہیں

مقدمات میں وکلا ہیں قبلۂ حاجات — ہمیشہ قطب نما ہیں نظائر و دفعات

جرح میں ایسے بھی جراح ہیں قیامت ہے — عدالتوں میں گواہوں کی بس شہادت ہے

نہ اس زمانہ میں انجیل ہے نہ ہی قرآن — ہے ہائی کورٹ کا رولنگ ہی دین اور ایمان

ہوا ہے مکر و دغا کو عدالتوں میں فروغ — دروغ راست ہے اور راست ہو گیا ہے دروغ

مئی ۱۳۱ء

مسلم طلبائے ہند

اے مسلماں تو رہا تعلیم میں بھی معتدل — اور سب ایم اے ہوئے ہے انتہا تیری مڈل

دس برس میں طے کئے مشکل سے تو نے چھ کلاس — عمدہ دو سال میں اکثر ہوا ایکبار پاس

نوجواں کو شاعری کا ہو گیا جس دن سے شوق — ذکر حسن و عشق میں ملنے لگا اک خاص ذوق

رات دن رہتی ہے پھر دل میں تلاش قافیہ — کیا عجب ہے یاد گر ہوتا نہیں جغرافیہ

غیر ممکن ہے کہ کوئی سیکھ لے علم حساب — جب ریاضت سے طبیعت کو ہو گویا پیچ و تاب

قصہ ماضی کے جھگڑوں سے جو دل آزاد ہو — آپ ہی کہئے اسے تاریخ کیسے یاد ہو

ہر گلی کوچہ میں ہے سامان فرحت ہر طرف — اس لئے انکا سبق ہر روز ہوتا ہے حذف

مدرسہ کی حاضری نے انکو ڈالا ضیق میں — ہر سبق ڈالا انھوں نے معرض تعویق میں

سچ تو یہ ہے امتحاں بھی اک بڑا خلجان ہے — پاس کی امید ہے گو فیل کا سامان ہے

مارچ ۳۲ء

مسلمانوں کا زوال

اے مسلماں ارتقا تیرا تھا جیسا بے مثال
اک سبق ہو چشم عالم کے لئے اسکا زوال

آج تیرے جسم سے غائب ہیں آثار حیات
زیست تیری ہوگئی دنیا میں بدتر از ممات

کیا خبر تھی منزل ہستی میں ہوگا یوں تباہ
تو چلے گا دوسروں کے پیچھے بن کر گرد راہ

جوہر ذاتی ترے سب ہوگئے یکسر فنا
سب کو حیرت ہے کہ آخر ہوگیا تو کیا سے کیا

ہے دلوں میں موجزن ہر وقت دریائے حسد
ہوگئی مفقود یکسر امتیاز نیک و بد

تقویت کے واسطے کرتی ہے دنیا اتحاد
روز افزوں ہے مسلمانوں کا آپس میں عناد

قوم کا چاروں طرف بگڑا ہے کچھ ایسا قوام
غیر ممکن ہے کہ قائم ہو سکے کوئی نظام

ہے ڈسپلن حلقۂ مسلم میں قطعاً کالعدم
رکھ نہیں سکتے یہ میدان سیاست میں قدم

سارے عالم سے جدا ہے انکی افتاد مزاج
کس طرح ممکن ہو پھر انکی تباہی کا علاج

فرقہ بندی میں انھیں حاصل ہوا ہے وہ کمال
ان کے حلقے میں ہر اک اسکیم ہے امر محال

سارے ہندوستاں میں انکا کوئی رہبر نہیں
کوئی ایسا بھی ہے جو خود ساختہ لیڈر نہیں

ہم کو جس پر ناز ہے کیا وہ یہی تہذیب ہے
منتشر ہے قوم ساری کیا یہی ترتیب ہے

کوئی ہمت کر کے کر جائے جو انمیں کار نیک
عیب ہیں سو اسکے کرنمیں نکرنے میں ہے ایک

خدمت قومی حقیقت میں ہے گو نہ اختلاج
ہم نہ ہونگے متحد جبتک مرض ہے لاعلاج

جون سنہ ۳۲ء

ایک چٹکلہ

تھے ایک دوست مرے چند روز سے بیمار
بہت ہوئی وہ طبیعت سے عاجز و ناچار

ستا رہا تھا انھیں غلبہ سوئے ہضمی
نہ کارگر ہوئے چورن نمک سلیمانی

جو بار بار علالت کا حال ان سے سنا
علاج ڈاکٹری کے لئے کسی نے کہا

مگر یہ ڈاکٹروں سے ہمیشہ ڈرتے تھے
جدھر سنا تو یہی سب بیان کرتے تھے

علاج کرتے نہیں ہیں یہ کانٹ چھانٹ بغیر
جو ہاتھ پاؤں بچیں ان سے دانت کی نہیں خیر

مرض کی ہوتی ہے تشخیص تھرمامیٹر سے
علاج کرتے ہیں لیکن یہ نوک نشتر سے

سبک ہے یاتھ بہت ان کا آپریشن میں
بڑا کمال ہے قطع و برید کے فن میں

علاج کے لئے اکدن گئے یصیپس وپیشیں
جب ہسپتال سے لوٹے تو تھے بہت دل ریش

دوا کے ساتھ دیا ان کو ایک انجیکشن
تمام عمر کھٹکتی رہے گی وہ سوزن

کیا یہ عہد نہ جائیں گے پھر شفاخانہ
ہمیشہ دل نے کہا اسطرف نہ اب جانا

درست انکے ہوئے پھر ذرا جو ہوش و حواس
کسی کی رائے سے اکدن گئے طبیب کے پاس

حکیم جی نے توجہ سے انکا حال سنا
اور اپنے ہاتھ سے نسخہ بنا کے ان کو دیا

دوا ہر ایک بہت احتیاط سے تولی
بنا کے دی انھیں خبث الحدید کی گولی

وہاں بھی ان کو تشفی نہ کچھ ہوئی حاصل
دوا کے نام نے انکو بنا دیا بسمل

جو میکدہ کی طرف ایکدن نکل آئے ۔۔۔ تمام قصہ وہاں بھی زبان پر لائے

کہا یہ پیر مغاں نے دوا ہے اس خم میں ۔۔۔ جو اس کو پیتے ہیں پڑتے نہیں توہم میں

ہر اک نے انکی علالت کا حال خوب سنا ۔۔۔ بڑے خیال کے بعد ایک رند یوں بولا

کہ ہم بتاتے ہیں اک چٹکلا عجیب و غریب ۔۔۔ جو ہاضمہ کی درستی کی ہے نئی ترکیب

تم اختیار اگر کر لو مولوی کا لقب ۔۔۔ تو سوئے ہضم کی غایب ہو پھر شکایت سب

ہے ہضم کے لئے اس نام میں عجیب صفت ۔۔۔ اور اشتہا میں بھی ہو جائیگی بڑی برکت

ملیں گے خوب طعام لذیذ کھانے کو ۔۔۔ جو روٹھ جاؤ تو آئیں گے سب منانے کو

اگست ۳۴ء

ایجاد عذاب

واعظوں نے کر دیا دنیا کو خالص غم کدہ
ان کا کہنا ہے کہ ہر انساں رہے یاں غمزدہ
شغل ان کا رات دن رہتا ہے ایجاد عذاب
کوئی کر سکتا نہیں انکے عذابوں کا حساب
ہیں مقرر عاصیوں کے واسطے جو سختیاں
چوگنا کر کے انھیں کرتے ہیں یہ واعظ بیاں
مولوی صاحب کو اپنے گھر کا کھانا ہے حرام
ان کو گر دعوت نہ دو ہے ناروا ہم کو طعام
ایک واعظ سے سنا جب حلت و حرمت کا حال
سنتے سنتے ایک جاہل ان سے کر بیٹھا سوال
آپ نے بھی کیا کبھی کھایا طعام ناروا
بولے ہاں دو مرتبہ جب اپنے گھر کھانا پڑا
حافظوں کا آج کل ہے مختصر یہ حال زار
دور زفراں میں ہیں ہر دم وہ بھی لقمہ کے شکار

ستمبر ۳۸ء

زبان کی نئی خدمت

گفت گو کے بعد بھی اکثر یہ رہ جاتا ہے غم

ان کا مطلب اور تھا سمجھے ادھر کچھ اور ہم

ایک دن وہ تھا زباں کہتی تھی سب دل کا حال

اب ہنر یہ ہے کہ وہ مخفی رکھے اصلی خیال

بات جب ہی بات ہو اور راز دل ظاہر نہ ہو

ہے ہمارے دل میں کیا اس سے کوئی ماہر نہ ہو

جو ارادہ دل میں ہو اس کا نہ ہو جب انکشاف

کیوں نہ ہو لوگوں کے قول و فعل میں پھر اختلاف

نقشہ ہائے جنگ کرتے ہیں مرتب پادری

اور زباں سے روز ہے تلقین صلح و آشتی

ایشیا والوں کو آئے گی نہ ہرگز پالسی

قیس اور فرہاد کیا جانیں بھلا ڈپلومسی

اپریل ۱۹۳۹ء

ہے زبان نرم طاقت ور زیاں

نورتن چٹنی کے لینے کے لئے — ایک صاحب ایک دکاں میں گئے
بوتلیں دیکھیں وہاں سب مہر بند — دیر تک سوچا کریں کس کو پسند
مالک دوکاں نے آخر یہ کہا — ہے تامل آپ کو لینے میں کیا
بے تکلف اس کو کھا کر دیکھئے — گر نہ ہو اچھی تو واپس کیجئے
ہم کھلا شیشہ بھی لیں گے آپ سے — دام واپس دیں گے پورے شاپ سے
ہو گئے خاموش سن کر یہ کلام — ایک بوتل لائے دیکر اسکے دام
ذائقہ میں گو بہت اچھی نہ تھی — اس کو لوٹائیں نہ یہ ہمت ہوئی
مالک دوکاں کی باتیں یاد تھیں — تھا بہت اخلاق اسکا دل نشیں
سوچتے تھے ایک ادنیٰ چیز کو — کیا کریں واپس پڑی رہنے بھی دو
شہرہ تھا اک دوسری دوکان کا — ایک دن اس میں گزران کا ہوا
پہلے دیکھے تھے دکاں کے اشتہار — یہ ارادہ تھا خریدیں گے اچار
ایک شیشہ ہاتھ میں اپنے لیا — کاگ سے اور مہر سے وہ بند تھا
اس کی جب تعریف بے پایاں سنی — دیتے دیتے بات اتنی پوچھ لی
گر پسند آیا نہ ہم کو ذائقہ — آپ واپس لیں گے کیا شیشہ کھلا
مالک دوکاں میں کب تھی اتنی تاب — ساتھ غصے کے دیا ان کو جواب

ہم کھلا شیشہ کبھی لیتے نہیں — پھینک دینا گھر کی نالی میں وہیں

سن کے شرمندہ و آزردہ ہوئے — اور خالی ہاتھ آئے شاپ سے

روز گو بازار جاتے ہیں ضرور — دوسری دوکان سے رہتے ہیں دور

پہلی دوکاں ہی بہت ان کو عزیز — اس میں جا کر لیتے ہیں ہر ایک چیز

ہے زبان نرم طاقت ور زباں — جس کو اسمیں شک ہو کر لے امتحاں

نومبر ۳۹ء

کوٹ ہے کھادی کا سگرٹ منہ میں قینچی چھاپ کا

حکم ہے گاندھی کے پہنا سب نے کھدر اور ٹاٹ

ململ اور تن زیب کا چاروں طرف ہے بائیکاٹ

شیخ جی بیٹھے ہیں چرخا لے کے شیخانی کے ساتھ

کاتتے ہیں سوت دن بھر اپنی دیوانی کے ساتھ

ہے نرالا یہ سودیشی کا طریقہ آپ کا

کوٹ ہے کھادی کا سگرٹ منہ میں قینچی چھاپ کا

کیا بتاؤں آئے دن بازار کا کیا حال ہے

پیچھے دروازہ کھلا ہے سامنے ہڑتال ہے

جو بتاتے ہیں خرابی ململ اور تن زیب میں

ہے قرین قلب انگلش داغ ان کی جیب میں

لیڈروں کے پاس موٹر ہے سواری کے لئے

اور سب بیکار ہیں خدمت گزاری کے لئے

ملک کی خدمت بہت دشوار ہے فرصت بغیر

دن کو لکچر دیتے ہیں اور شب میں ہے سنیما کی سیر

ایک دن نھّار کس میں سب زار سے بیزار تھے

جب ہوئے بے زار تو بھی سب بحال زار تھے

یہ وکیلوں کے ہیں کرتب آج لیڈر بن گئے

فروری ۱۹۳۴ء فیس جب اچھی ملی اسدن ہی لیڈر بن گئے

ستیاگرہ کی عملی رفتار

بڑی خوبی سے گاندھی کی ہوئی تحریک آزادی
عدم ایذا رسانی کو بنایا سنگ بنیادی

ہوئی تلقیں لوگوں کو اٹھاؤ ذلت و خواری
مگر جائز نہیں ایذا رسانی اور دل آزاری

یہ شرط اولیں تھی تم کسی کو بھی تکلیف مت دینا
جہاں جاؤ مصائب کو خوشی سے اپنے سر لینا

ہمیشہ پہنو کھادی اور رکھو صورت فقیرانہ
مطالب کی تمہاری چاہیے فہرست شاہانہ

تمہیں حق ہے تلاش حق میں جی چاہے جہاں جاؤ
حصول مدعا جبتک نہ ہو واپس نہ گھر آؤ

مطالب گر نہوں حاصل کرو فاقہ کشی در پر
مگر اتنا ضروری ہے کہ ہو اسکی خبر گھر گھر

ہمیشہ جاؤ اس رہ سے جہاں تم کو کوئی روکے
کرو ہر کام ایسا جس میں مجبوراً کوئی ٹوکے

نہایت عاجزی سے قید ہو کر جیل کو بھر دو
وہاں کھانا نہ دیں اچھا تو پھر دم ناک میں کر دو

ریاست میں اگر جاؤ جتھے کی شکل میں جانا
ضرورت ہو تو ہر صوبہ سے تم والنٹیر لانا

کرو ہموار تم فرمانروا کو کاٹ کر جنگل
جدھر جاؤ ریاست میں وہاں پڑ جائے اک ہلچل

کرو تلقین لوگوں کو نہ دیں محصول سرکاری
وفاداری کے بدلے آپ کھائیں اپنی بیداری

خدا کا ملک ہے تم کو کوئی روکے تو کیوں روکے
تم اپنے دل کے مالک ہو کوئی ٹوکے تو کیوں ٹوکے

تلاش حق میں جب نکلو چلو رفتار گاندھی کی
کرو جو دل میں آئے بس یہی ہے راہ گاندھی کی

مارچ ۳۹ء

شوقِ نمائش

بڑی رونق ہی ہر سو اندنوں اشیائے نقلی کی
بہت پھیکی نظر آتی ہی صورت جنسِ اصلی کی

ہوئے شیشہ کے دانے بے بہا زیبِ گلو ہوکر
پڑا ہے کس مپرسی میں گہر بے آبرو ہوکر

نگینے دلکش و خوشرنگ ہیں بازار میں نقلی
ملمع کی ضیا ہی اور جڑاہی ہیں سنگ مصنوعی

پسند آیا ہی سب ہی تن کو نقلی جامۂ ریشم
دُرِ اصلی پڑا ہی اک طرف با دیدۂ پرنم

خریدار و نکی آنکھیں خیرہ ہیں اشیا کی پالش سی
کچھ اندازہ نہیں ہی جوہرِ اصلی کا پوشش سے

ہوئے ہیں برگِ گل رخسارِ خوباں کاسمیٹک[1] سی
لبوں پر سرخیِ یاقوت پیدا ہی لپ اسٹک[2] سے

نمائش کو بنایا ہے ذریعہ کامرانی کا
تصنع جزوِ اعظم ہوگیا ہے زندگانی کا

سپاہی کے فرائض ہیں شجاعت اور جوانمردی
مگر اب یہ مقدم ہی کہ اس کی صاف ہو وردی

کچھ ایسا چل گیا ہی ہر طرف جادو نمائش کا
نہیں ہی قدرداں کوئی حقیقی فضل و دانش کا

نہیں ہی آرزو مکتب میں دستارِ فضیلت کی
ہی اب کالج کی ڈپلوما سی پالش لیاقت کی

کوئی نیچے نقرئی سکہ ہوئے ہیں ملک سے رخصت
بجائے ان کی ہی نوٹوں کی اب بازار میں کثرت

نہیں ہی جنسِ اصلی کا کوئی بازار میں خواہاں
نہیں ہی اسکی قیمت یاوہ بکتی ہی بہت ارزاں

وہ روپیہ میل ہی جس میں عناصر بیکہ ہیں ناقص
عوض میں اس کی ملتی ہی مضاعف نقرۂ خالص

حقیقت کا جسے ادراک ہی اسکی مصیبت ہی
نہیں ہی روشناسی جس کی وہ اصلی لیاقت ہے

فروری سنہ ۲۱ء

[1] ایک قسم کا غازہ جو یورپ سے برائے تزئین رخ آتا ہے [2] ایک ولائتی شے ہے جس سے لبوں پر سرخ رنگ پیدا کیا جاتا ہے

متفرقات

کوئی انساں نہ رہا عشق میں شاداں ہو کر
عمر اپنی بھی گئی بندۂ حرماں ہو کر

ایک دن ان کے قدم گھر سے نہ باہر نکلے
جب سے آئے ہیں مرے دل میں وہ ارماں ہو کر

کر دیا میرے لئے راز کا اخفا دشوار
پردۂ شرم میں اس شوخ نے پنہاں ہو کر

آہ نے کام کیا جو نہ ہوا منت سے
دیکھنا آئے ہیں کیسے وہ پریشاں ہو کر

خون دل لاؤں کہاں سے ترے پیکاں کیلئے
کوئی مجھ سا نہ رہے بے سر و ساماں ہو کر

شیخ کیوں ورد زباں ہے یہ مذمت مے کی
آپ نے قدر یہ کی صاحب عرفاں ہو کر

درد سے بڑھ کے نہیں دل کو کوئی چیز عزیز
کیا ملے گا ہمیں شرمندۂ درماں ہو کر

تیغ سے اسکی ادائیں ہیں زیادہ خونریز
مار ڈالا ہمیں قاتل نے پشیماں ہو کر

دین و دنیا میں ہمیں ہائے کہیں کا نہ رکھا
حضرت عشق نے غارت گر ایماں ہو کر

ہم سے وعدہ بھی ہے غیروں کے لئے ہے تزئیں
آئینہ دیکھ رہا ہے انھیں حیراں ہو کر

اگست سنہ ۳۲ء

ملی مراد ہمیں نامراد ہو ہو کر ۔۔۔ جنوں میں پختہ ہوئی جان اپنی کھو کھو کر

جناب شیخ نے مے کی بہت مذمت کی ۔۔۔ لگی جو منہ سے تو پھر پی گلاس دھو دھو کر

ہمیں یقین ہے اک روز رنگ لائے گا ۔۔۔ یہ بار بار نکلنا گلی میں ہو ہو کر

کہ اب ہیں رات کو قسمت تمہاری جاگتی ہے ۔۔۔ گزار دیتے ہو تم دن تمام سو سو کر

میاں کو دیتی ہے بیوی رجسٹری نوٹس ۔۔۔ وہ دن گئے کہ ستاتی تھی اس کو رو رو کر

ہے آج ملک میں دعویٰ برابری کا انھیں ۔۔۔ برہمنوں کے جو پیتے تھے پاؤں دھو دھو کر

غریب ہند میں یورپ کی ہو گئی چاندی ۔۔۔ جہاز تھک گئے سونا یہاں کا ڈھو ڈھو کر

ہمیں بھی ضد ہے کہ آئیں گے تیرے در پر روز ۔۔۔ یہی ہے دل کی خوشی تو ہزار نو نو کر

فروری سنہ ۳۳ء

نکل جاتے ہو میرے گھر سے کٹ کر ۔۔۔ کبھی دیکھا نہ اس جانب پلٹ کر

مرا رنج و الم سنتے ہو ہر روز ۔۔۔ مگر پوچھا نہ اک دن بھی الٹ کر

وفاداری سے نسبت غیر کو کیا ۔۔۔ یہ سب باتیں یہاں آتا ہے رٹ کر

اٹھایا غیر پر مقتل میں گر ہاتھ ۔۔۔ پکڑ لوں گا ترا خنجر جھپٹ کر

اٹھا سکتا نہیں درباں ہمیں آج ۔۔۔ ترے در پر جو ہم بیٹھے ہیں ڈٹ کر

کبھی رہتا نہیں میں غیر کے ساتھ ۔۔۔ ہمیشہ بیٹھتا ہوں دور ہٹ کر

نکالو مے کدہ سے شیخ کو جلد ۔۔۔ کہ غائب ہو رہا ہے ابر پھٹ کر

غم دنیا بھرا ہے میرے دل میں ۔۔۔ ہوا ہے جمع اک دریا سمٹ کر

اگست سنہ ۳۹ء

سلسلہ عبودیت پختہ ہو انما زمیں　　سب کی جبین ناز ہے سجدہ گہ نیاز میں

رنج و عنا سے فائدہ آہ و بکا ہے کس لئے　　رنگ اثر ذرا نہیں سوز میں او رگداز میں

ایک نظر پڑی جہاں ہوش و حواس اڑ گئے　　ایسی بلا کا سحر ہے اس کی نگاہ ناز میں

بلبل خستہ جاں کبھی اپنی فغاں کرے نہ بند　　ایک سرور خاص ہو نغمۂ دل نواز میں

دل کی ہے دل سے گفتگو گرچہ زبان ہو خموش　　راز دنیاز ہو بہت محفل سوز و ساز میں

مہر و وفا کے واسطے دل میں خلوص چاہیے　　صدق و صفا ذرا نہیں یار زمانہ ساز میں

نومبر سنہ ۲۹ء

آرزو ہے وہ کسی روز مرے گھر آئیں　　دل غمگیں کی مرادیں بھی کبھی بر آئیں

پاسباں در پہ ہے اور مجمع اغیار بھی ہے　　تیرے دربار میں ہم آئیں تو کیوں کر آئیں

غیر کے ساتھ رہیں آپ مخلی یا لطبع　　اور جب آئیں مرے گھر تو مکدر آئیں

میکدہ میں کبھی رندوں سے نہیں ہو دھوکا　　ان سے رہتی ہیں خبردار جو چھپ کر آئیں

خوبیٔ ضبط یہ ہو جور و ستم خوب سہو　　اور الفاظ شکایت نہ زباں پر آئیں

وہ جو نکلے ہیں سنور کر کہیں جاتے ہونگے　　ایسی تقدیر کہاں ہو جو مرے گھر آئیں

جنوری سنہ ۳۰ء

یہاں وہ آئے ہیں بیداد اور ستم کے لئے
ہمیں خدا نے بنایا ہے رنج و غم کے لئے

کبھی ہے سوزِ نہاں ادر کبھی ہے برق تپاں
بنی ہیں ساری بلائیں اس ایک دم کے لئے

بہت قدیم تعلق ہے کفر و ایماں کا
پڑوس دیر کا دینا ہے حرم کے لئے

ترے کرم سے رہے آج پھر بھی ہم محروم
بچھائیں شوق سے آنکھیں تری قدم کیلئے

مرے مکان پہ آنمیں ہے عبث پس و پیش
کچھ استخارہ کی حاجت نہیں کرم کے لئے

رہے گا دیر میں محبوب عاشقاں ہو کر
نہیں ہے جائے حرم میں اگر صنم کے لئے

جنوری سنہ ۷۱ء

شوخی سے یہ کہتے ہوئے وقت سحر آئے
مانا کہ بہت دیر سے آئے مگر آئے

پیہم شب فرقت میں ہماری یہ دعا تھی
آئے تو قیامت ہی کی یارب سحر آئے

ملتے ہیں حسینوں کو جو انداز نرالے
پہلو میں ہمارے بھی نیا اک جگر آئے

مستانہ جب آتے ہیں سوئے میکدہ واعظ
ہر ایک یہ کہتا ہے کہ حضرت کدھر آئے

جنوری سنہ ۲۸ء

گیسوئے جاناں کی چوری آج پکڑی جائیگی
ڈھونڈھنا اچھی طرح اسمیں ہمارا دل بھی ہے

گرچہ رندوں کی مذمت پڑ گئی ہے خوئے شیخ
وعظ کے حیلے سے لیکن انہیں وہ شامل بھی ہے

مار ڈالا ہمکو اسکی اس ادا نے بعد قتل
ظاہرا خوش ہے مگر دل میں وہ کچھ قائل بھی ہے

جا رہے ہیں سیکڑوں لخت جگر اشکوں کے ساتھ
رات دن کی گریہ و زاری سے کچھ حاصل بھی ہے

گرچہ حافظ ایک مدت سے پریشاں حال ہے
فضل مولا ہو تو ہر ماضی کا مستقبل بھی ہے

جنوری سنہ ۱۹ء

روز کہتا ہوں دل ناشاد سے
کیا ملے گا نالہ و فریاد سے

تھی جوانی میں مصیبت آرزو
اب پریشاں ہیں ہم اپنی یاد سے

نامہ بر لانا جواب خط ضرور
دیکھنا یہ کام کرنا یاد سے

قلب شیریں سنگ سے تھا سخت تر
یہ سبق ہم کو ملا فرہاد سے

مارچ سنہ ۴۰ء

عبث ہے شیخ تجھے اپنے زہد پہ یہ غرور   تمام خلق کو مت دیکھ تو بچشم نفور
گناہگاروں سے سرزد ہوئے ہوں لاکھ قصور   مگر ہے حاکم یوم النشور رب غفور

ہے اس کا لطف و کرم عفو معصیت کے لئے
ہزار طرح کے حیلے ہیں مغفرت کے لئے

نماز روزہ و تسبیح ہیں طریق نیاز   کرو بعجز ادا اور کرو نہ اپنے پہ ناز
ہمارے ذہن کے باہر ہیں مغفرت کے راز   کسے خبر ہے کہ کرتا ہے کیا وہ نکتہ نواز

عجب نہیں اگر آجائے جوش میں رحمت
گناہگار بھی ہو جائیں داخل جنت

دلوں کے حال سے واقف ہے خوب رب علیم   درست جس کی ہے نیت اسے نہیں کوئی بیم
قصور کے لئے کافی ہے اس کا لطف عمیم   گناہگاروں کو بخشے گا وہ غفور و کریم

ہے دل میں رنگ ندامت تو پھر نہیں پرسش
خدا کے سامنے جانا ہے موجب بخشش

بڑا رحیم ہے وہ رب ذوالجلال مرا   گناہگار ہوں ہوگا اسے خیال مرا
بہت سقیم سہی شیخ گرچہ حال مرا   ترے غرور سے بہتر ہے انفعال مرا

ہے اس کا رحم گناہوں کی مغفرت کی دلیل
سزا جزا سے ہے بڑھ کر رضائے رب جلیل

مئی ۳۳ء

سیاسی پیچیدگیاں اور شوق شاعری

دنیا میں ہر طرف ہے سیاسی مظاہرہ ‏ ‏ ہم کر رہے ہیں بیٹھ کے باہم مشاعرہ
آفات کا ہے چار طرف سے محاصرہ ‏ ‏ کرتے ہیں ہم تلاش زباں کا محاورہ

دنیا کے دل میں جب ہوئی جغرافیہ کی فکر
بے فکر لوگ کرنے لگے قافیہ کی فکر

اغیار دیکھتے ہیں ہمارا یہ طرفہ حال ‏ ‏ ماضی کا ہم کو غم ہے نہ فردا کا کچھ خیال
سر میں بھرے ہوئے ہیں مضامین خط و خال ‏ ‏ پھرتی ہے اب بھی آنکھوں میں کبک دری کی چال

جب تک مبالغہ نہ ہو بے لطف ہے کلام
ہوتی ہے شاعروں کی تعلّی پسند عام

آتش فشاں پہاڑ سے اٹھتا ہے جو دھواں ‏ ‏ سوز نہاں کا ایک شرارہ ہے بے گماں
چکر میں ہیں تڑپ سے زمین اور آسماں ‏ ‏ آہ رسا ہماری گئی ہے کہاں کہاں

ہم درس عشق لیتے ہیں مجنوں کی روح سے
گریہ ہمارا کم نہیں طوفان نوح سے

روتے ہیں ہم کبھی الم عندلیب ہے ‏ ‏ فرصت ملی جو اس سے تو ذکر رقیب ہے
دنیا کی کچھ خبر نہیں حالت عجیب ہے ‏ ‏ یہ فکر ہی نہیں کہ قیامت قریب ہے

کانوں کو خوشگوار جو نغمہ ہے دور کا
اے مست خواب عیش وہ ہے شور صور کا

شیریں کی یاد بھی پس فرہاد ہم نے کی — یہ زیست نذر لے دل ناشاد ہم نے کی

بلبل کے غم میں زندگی برباد ہم نے کی — صیاد و برق و باد کی فریاد ہم نے کی

جب ملک فتح کرتے تھے سنڈیا و بھونسلا

بنتا تھا یاں دماغ میں بلبل کا گھونسلا

گو جوش گریہ ہے مگر آنکھوں میں نم نہیں — افلاس ہے محیط کچھ اس کا بھی غم نہیں

مے لائیں مول گانٹھ میں اتنی رقم نہیں — ذکر شراب و ساقی و ساغر بھی کم نہیں

گھر میں نہیں ظروف گلی خم کا خواب ہے

فاقہ سے ہیں زباں پہ شراب و کباب ہے

کب تک کریں گے ہائے ہم اس عشق سے نباہ — کب تک خلاف ہونگے رقیبان روسیاہ

وہ وقت بھی نہیں ہے کہ ہوتی تھی واہ واہ — اب چاہیئے کچھ اور نکالیں ہم اپنی راہ

خدمت میں شاعروں کے ہماری یہ ہے صلاح

اب کام وہ کرو کہ ہو کچھ صورت فلاح

اکتوبر ۳۵ء

تاریخ وفات بیگم حافظ ولایت اللہ

۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء

مرے گھر کی تھی رونق جس کے دم سے — بہار زیست تھی جس کے قدم سے

بنایا کنج مرقد اس نے مسکن — مرا دل شق ہوا رنج و الم سے

کیا میں نے رقم جب سال رحلت — دعائے مغفرت نکلی قلم سے

سرِ اخلاص سے نکلی یہ تاریخ — الٰہی بخش دے اپنے کرم سے

ایک — ۱۳۵۶ھ

بتاریخ ۱۴ اگست سنہ ۱۹۱۰ء انجمن اسکول ناگپور میں جناب آنریبل کریڈک صاحب بہادر چیف کمشنر صوبہ متوسط و برار نے دربار کر کے انجمن اسکول کو ہائی اسکول کا درجہ عطا فرمایا اور چند سال کے لئے گورنمنٹ گرانٹ میں خاص اضافہ منظور فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد عمارت نارمل اسکول بھی ہوسٹل کے لئے گورنمنٹ سے عطا ہوئی اس دربار میں طلبائے انجمن اسکول نے یہ اشعار بطور درخواست جناب موصوف کی خدمت میں پیش کئے

انجمن کی آج قسمت مطلع انوار ہے — خوبی و رونق میں یکتا ہر در و دیوار ہے

روح افزا ہی ہوا کے ساتھ موج انبساط — ابر باراں صوبہ سی پی پہ گوہر بار ہے

ہے جناب چیف کی آمد کی تقریب سعید — گوشہ گوشہ انجمن کا غیرت گلزار ہے

مدرسہ اپنا ہوا ہے مصدر لطف و کرم — گرم جوشی سے خوشی کا ہر طرف اظہار ہے

آ رہے ہیں ہر طرف سے لوگ شاداں جوق جوق — حلقہ مسلم میں گویا عید کا تہوار ہے

آج ہوگا انجمن اسکول کا درجہ بلند — اس لئے اس میں جناب چیف کا دربار ہے

آپ کے احسان کا بدلہ نہیں ہے جز دعا — انجمن پر آپ کا لطف و کرم بسیار ہے

ہو عطا ہم کو عمارت نارمل اسکول کی — ہوسٹل کی ہے ضرورت مسئلہ دشوار ہے

رہ گئی ہے انجمن اسکول میں بس یہ کمی — آپ کا گر لطف ہو جائے تو بیڑا پار ہے

مندرجہ ذیل نظم بطور عرضداشت طلبائے گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول امراؤتی نے بخدمت جناب چیف کمشنر صاحب بہادر بروقت تشریف آوری جناب صاحب موصوف بتاریخ ۱۲ نومبر ۱۹۱۲ء پیش کی۔ صاحب موصوف نے ازراہ کرم مسئلہ تعمیر ہائی اسکول بلڈنگ طے فرما کر اس کو بنانے کا حکم صادر فرمایا۔

خدا کا شکر ہے ہم کو ملا یہ روز سعید
ملی ہے یاب مسرت کی آج ہم کو کلید

حضور چیف کمشنر کی آمد آمد ہے
ہماری عید ہے تشریف آوری کی نوید

یقین ہے کہ تکالیف ختم ہوں گی جلد
حضور کے کرم و لطف سے نہیں ہے بعید

یہ آرزو ہے خدا کب وہ دن دکھائے گا
ہمارے واسطے بن جائے گا مکان جدید

ہے اس مقام پہ تکلیف ہر طرح کی ہمیں
بہت ستاتی ہو ہم کو تمازت خورشید

جو مال ٹیکری کے پاس ہوسٹل بن جائے
شب برات ہو ہر شب تو روز روز عید

بہت شفیق ہیں کلیرڈ کلارک اسٹنڈن
ہمارے سر پہ رہیں یہ خدا سے ہے امید

ہمارے واسطے اسکول جلد بن جائے
حضور کر دیں جو پی ڈبلیو ڈی کو کچھ تاکید

حضور چیف کمشنر جناب رابرٹسن
مزید چین کا ہو اقبال اور عمر مدید

ہمارے جھونپڑی پر آج لائے ہیں تشریف
حضور کے کرم و لطف کی یہ ہے تمہید

ہمارا جوش مسرت بیاں کے باہر ہے
ہوئی ہے آج یہ سعدی کے قول کی تائید

ز فر چیف کمشنر نہ گشت چیزے کم
کلاہ گوشہ طفلاں بہ آفتاب رسید

مرغوب ہوا جب سے یہ سامان ربر کا — ہے چار طرف ملک میں طوفان ربر کا
یورپ نے دکھائے ہیں یہ صنعت کو تماشے — بنتا ہے کبھی ہاتھ کبھی کان ربر کا
ہر روز نئے قسم کے آتے ہیں کھلونے — انساں کا نمونہ کبھی حیوان ربر کا
رفتار زمانہ سے بڑا خوف ہے دل میں — یارو کہیں بن جائے نہ ایمان ربر کا

نہ ہو اخلاص تو انساں فضیلت پا نہیں سکتا — حقیقی امر ہے اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا
حفاظت اور وفاداری سگ ناپاک کی دیکھو — تمہارے در پہ انساں کیا فرشتہ آ نہیں سکتا

آ رہا ہے سرزمین ہند پہ دور جدید — وہ مقولہ یاد آتا ہے کسی بقال کا
پانچ سو سے بیش ہوگا جب نہ در ماہ کہیں — پھر تمہیں معلوم ہوگا بھاؤ آٹے دال کا

جولائی ۱۹۲۸ء میں بزمانہ علالت ایک دوست کے خط کے جواب میں یہ دو اشعار لکھ کر روانہ کیے گئے۔

مرض ہو ایک تو اس کا کوئی علاج کرے
بہت دنوں سے ہے بگڑا ہوا مزاج حیات
ہماری زیست کی اب جتنی نقل و حرکت ہے
بجا ہے اس کو اگر کہیے اختلاج حیات

آئینِ ہند کے لئے کوشش ہے چار سو — ہم کو لگی ہے فکر کہ انجام ہو بخیر

مسلم کے ساتھ چاہیئے ہندو کو اتفاق — کچھ بھی نہ ہاتھ آئے گا ان کے ملے بغیر

ہندو کے ساتھ چاہیئے مسلم کو دوستی — پانی میں رہ کے چل نہیں سکتا مگر سے بیر

شیخ صاحب ہو گئے حد سے زیادہ ہوشیار — بی بیاں رہتی تھیں انکے گھر میں پہلے صرف چار

جب یہ دیکھا موٹروں میں چار پہیوں کے سوا — ایک ایڈیچاک بھی رہتا ہے بیرون از شمار

شیخ نے بھی احتیاطاً کر لیا کچھ انتظام — ہے بزرگوں کا مقولہ "داشتہ آید بکار"

جس کو قسّامِ ازل نے کر دیا قسمت کا کور — ہو گئی بیکار سب اسکے لئے زاری و زور

شومیٔ قسمت ہو اگر مجنوں تو اس کا کیا علاج — ورنہ لیلیٰ کے کرم کا ہر طرف ہے عام شور

ریل گاڑی میں گیا بیچارہ کرنے عرضِ حال — کھینچ کر زنجیر لیلیٰ نے پکارا چور چور

دی عدالت نے سزائے عشق اسکو قیدِ سخت — یہ نتیجہ ہے پڑا ہے آج تک زندہ بگور

گو مخالف ہیں شیخ جدّت کے — راہ پر آ رہے ہیں روز بروز

تہنیت میں ہیں سالِ نو کی شریک — عید ہے انکو عیسوی نوروز

اتنی تقلید ہو گئی جائز — مرغیاں پالنے لگے پاموز

ہے ملک کے افلاس پہ لیبڈر کا یہ احساں | اب ساتھ میں اڈرس[1] کے انھیں دیجئے اک پرس[2]
بیمار ہے فیس اور دوا کے لئے بے زر | اب حکم یہ ہوتا ہو رکھے پاس وہ اک نرس
شہرت کی تمنا ہے نمائش ہے وطن کی | لیڈر کے ہر اک کام میں دیکھی گئی یہ کرس[3]
ہے قدر یہاں مال کی انساں کی نہیں ہے | ہر گام پہ دیتا ہے زمانہ ہمیں درس
مظلوم کی فریاد قوی تر ہے دعا سے | بندے سے بھی ڈرتے ہیں جو ہوتے ہیں خداترس

[1] سپاسنامہ [2] تھیلی [3] بد دعا یا لعنت۔

ہیں کامیاب وہی لوگ اس زمانہ میں | جو سر جھکاتے ہیں تعمیل حکم میں تا فرش
بطور سرٹیفکٹ گر ملے کوئی چٹھی | تو اس کو رکھتے ہیں جیسے دعائے گنج العرش

نہیں مجال کسی کی مجارٹی[1] کے خلاف | ہوئے ہیں پارٹی والوں کو سات خون معاف
ہے جس کا وزن زیادہ اسی کی ڈگری ہے | کیا ہے عدل نے بھی خوب تول کر انصاف

[1] اکثریت

ہم نے درس شوق یورپ سے لیا ایسا بہ ذوق | آج کل ہر بات میں مغرب کو ہے مشرق پہ فوق
ہے نماز عید میں بھی کالر اور نکٹائی ساتھ | بن گئی تہذیب مغرب اس طرح گردن کا طوق
سوچتے ہیں شیخ حقہ کی طوالت ہے فضول | رفتہ رفتہ ہو رہا ہے انکو بھی پائپ کا شوق

ہم لڑیں آپس میں خود انمیں رہا جنگ و جدل ۔۔۔ یہ دکھایا عالموں نے [illegible] کا حسنِ عمل
اہلِ یورپ نے کیا ایجاد سامانِ فنا ۔۔۔ عقل انکی ہو گئی دنیا کو پیغامِ اجل
علم کے پردہ میں دور از عقل ہو جاتے ہیں لوگ ۔۔۔ عقل جب بگڑی جنوں ہے تباہی اسکا ماحصل

ہوا ہے شیخ کی دانش میں یہ اضافۂ علم ۔۔۔ حصولِ علم کا ہے بہترین ذریعہ قلم
خدا کرے کہ اسی سے ہو کچھ اضافۂ عقل ۔۔۔ اسی ذریعہ سے سیکھیں شکیب و صبر و حلم

لیڈیوں کو ساتھ لے کر سب ہوا خوری کریں ۔۔۔ شیخ نے سوچا کہ کب تک دل پہ وہ سختی کریں
گھر سے اب تنہا نکلنا ہو گیا ہے ناگوار ۔۔۔ شادیوں کے واسطے ہیں پانیر میں اشتہار
ساتھ جائیں گے پئے تفریح مسٹر اور میم ۔۔۔ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

ریا و مکر زیادہ ہے دورِ حاضر میں ۔۔۔ ہزاروں پھرتے ہیں پرہیزگار ظاہر میں
بغور دیکھیے جب اجزا امتزاجِ واعظ کے ۔۔۔ زیادہ دین سے دنیا ملی عناصر میں

فخرِ عالم ہوئے جن کے اسلاف ۔۔۔ آج کیا اُن کے خلف کرتے ہیں
رہتے ہیں لہو و لعب میں مصروف ۔۔۔ عمر ہر طرح تلف کرتے ہیں
گفتگو کا بھی ہے انداز عجیب ۔۔۔ ہر سخن پہ وہ حلف کرتے ہیں
جب سنا جنت و دوزخ کا بیاں ۔۔۔ وہ یہ سمجھے کہ بلف[1] کرتے ہیں

[1] دھونس یا کوری دھمکی۔

عورتوں کے لئے پردہ کا بنا ہے آئیں — مرد کے واسطے ایسا کوئی قانون نہیں
رہ کے آزاد اگر مرد نہ ہو نیک روش — شرطِ انصاف یہ ہے وہ بھی ہو پھر پردہ نشیں

بخشش کی مسئلہ میں دشواریاں بہت تھیں — آسانیاں ہوئی ہیں اب اس معاملے میں
دشوار زہد و تقویٰ دشوار تر عبادت — ہے اک طریق آساں انکے مقابلے میں
پیشِ نظر ہو دیں میں دنیا کی مصلحت اب — واعظ کی ہے سکونت اکثر دو منزلے میں
اب شرع میں لچک ہو فتوے بھی ہیں ربر کے — پروانگی ہو آساں جنّت کے داخلے میں
امیدوار در پر آیا ہے لے کے فتوے — تم کو ملے گی جنّت اک ووٹ کے صلے میں

بچائیں قوم کو کیا خاک گرداب و تلاطم سے — ہمارے نوجواں دریا کی رو کے ساتھ بہتے ہیں
نہ کہنے کی ادھر ہمت نہ سننے کی ادھر فرصت — بہت صبر و خموشی سے مصائب اپنے سہتے ہیں
جہاں صابر ہوا انساں سب کچھ پا گیا حافظ — جو فریاد و فغاں کرتے ہیں مظلوم رہتے ہیں

زمانہ کو بھی یہ انداز معشوقانہ آتا ہے — ادھر سے منہ ادھر ہوتا ہے اسکا ایک کروٹ میں
ہوئی وہ دلکشی غائب نقابِ رخ کی اٹھنے سے — بڑا جادو تھا جبتک حسن تھا پوشیدہ گھونگھٹ میں
مقدر سے رہی شان اسیری خط میں بھی قائم — ہمارا نام جب لکھا تو ظالم نے بریکٹ میں

چلے ہو نوجوانو ڈال کر تم ہاتھ پاکٹ میں
یہ بے فکری تمہاری ورنہ ہیں ہر کچھ ڈپارٹ میں

ذرا علم و ہنر میں بھی دکھاؤ کچھ کمال اپنا
ترقی ختم ہے بس ٹوسٹ مکھن چائے بسکٹ میں

بڑا افسوس ہے تم کھیل میں بھی رہ گئے پیچھے
غضب ہے گو کہ سبقت لے گئے اغیار کرکٹ میں

رکھو ایمان راسخ اپنے سینے میں کہیں جاؤ
ہمیشہ رہتی ہے تصویر جاناں جیسے لاکٹ میں

نہیں ہے ہرج فیشن میں اگر اخلاق ہوں اچھے
کہیں ایسا نہ ہو شرمندگی ہو انکے آؤٹ میں

یا خدا مہر و وفا کی بیٹری دے قلب میں
چاہیے صدق و صفا کی روشنی اس بلب میں

اشرف المخلوق کو کچھ فکر اس کا چاہیے
اب وفاداری ہے انساں سے زیادہ کلب میں

خستہ حالی کے سبب سے کوئی ہے تشویش میں
کس طرح اصلاح ہو کوئی ہے اس تفتیش میں
شیخ صاحب کو غم ماضی نہ مستقبل کی فکر
ان کا کہنا ہے کہ ہے ساری فضیلت ریش میں

ہے اثر مغرب کا ہم پر بالیقیں
ہند بھی ہے ایک طرفہ سرزمیں

ظاہری صورت بدل جائے ہزار
ہم وہی ہیں کوئی تبدیلی نہیں

کر گیا مشرق بھی مغرب پر اثر
بینڈ میں یاں بج رہی ہے بھیرویں

سنہ ۱۸۹۶ء میں بمقام جبل پور ایک روز جناب پروفیسر صاحب فارسی نے انٹرنس کلاس میں مجھے ایک طرح دی (رہنے دو مرے سینہ میں پیکاں کو نہ چھیڑو) اور ارشاد ہوا کہ اسپر غزل لکھو۔ چنانچہ کلاس میں اسی وقت ایک غزل موزوں ہو گئی جس کے صرف تین اشعار مندرجہ ذیل یاد رہ گئے۔

آیا ہے بہت روز میں مہماں کو نہ چھیڑو ‏ ‏ "رہنے دو مرے سینہ میں پیکاں کو نہ چھیڑو"

دیکھو نہ چھوو افعی پیچاں کو نہ چھیڑو ‏ ‏ کہنا بھی سنو زلف پریشاں کو نہ چھیڑو

بس بس نہ کرو اب گل نرگس کا نظارہ ‏ ‏ شرمندہ جو خود ہو تو پشیماں کو نہ چھیڑو

ادھر ہمت نہیں ہوتی نہیں فرصت اُدھر ان کو
ہمارے حال خستہ کی ہو پھر کیسے خبر ان کو
ہمارے دوستوں میں رہ گئی ہے اتنی ہمدردی
کہیں گر درد سر ان سے تو ہوگا درد سر ان کو

یونٹی کی جو ہوئی ملک میں گرما گرمی ‏ ‏ دونوں جانب تھی تقاریر میں بے حد نرمی

گفتگو کیلئے جلسوں کی نمایش بھی ہوئی ‏ ‏ آئے شرما بھی وہاں شیخ بھی شرما شرمی

بعد میں شیخ کی شیخی میں اضافہ ہی ہوا ‏ ‏ اور دھر م پال کی بھی کم نہ ہوئی ہٹ دھرمی

چار دن کے لئے ہو جاتی ہے کوشش اکثر ‏ ‏ پھر نہ نرمی ہی کہیں اور نہ کہیں سرگرمی

ہریجن کی کہیں سوجھی کہیں مزدور کی سوجھی
جہاں فاقہ کیا گاندھی نے اس کو دور کی سوجھی
جناب شیخ کے افکار عالی کا بیاں کیا ہو
کبھی جنت کا ذکر آیا تو ان کو حور کی سوجھی

ست کی لت میں ساری دولت ان کی ختم ہوتی گئی
اور لیاقت رفتہ رفتہ ان کی گم ہوتی گئی
جب سے ہوٹل کی ہواخوری ہوئی انکو پسند
عقل بھی ہر روز انکی گاؤدم ہوتی گئی

بہت تھی سنگٹھن کی دھوم اور شدھی کی سرگرمی
مگر ہم نے کیا برداشت ان سب کو بصد نرمی
سبھا کا اب یہی دعویٰ ہند سے ہم کو نکالے گی
ذرا انصاف تو کیجے یہ شدھی ہے کہ ہٹ دھرمی

خواب غفلت کے سبب دشمن سے ہشیاری گئی
دوستوں کے ساتھ بھی رسم وفاداری گئی
غیرت و شرم و حیا سے تھا مسلماں کا وقار
سارے جوہر جل بجھے جب انکی خودداری گئی

جنگ رہتی ہے یہاں ہر دم حرم اور دیر کی
روز ہوتی ہے ضرورت ثالث بالخیر کی
لاٹھیاں لیکر مسلح روز رہتی ہے پولس
یہ بھی ہوتا ہے کہ آجاتی ہے نوبت فیر کی
پھر بھی دعویٰ ہے ہمارے لیڈروں کا باربار
کیا ضرورت ہے ہمارے ملک میں اب غیر کی

ہمارے مولوی صاحب ہیں گو سراپا علم
نہ پوچھنا کبھی اوقاف کا حساب کبھی
خفا ہوئے تو بنے تکفیر ان کا آلۂ حرب
خدا بچائے نہ مسلم پہ ہو عتاب کبھی
حساب روز عذاب و ثواب کا سن لو
وصول خرچ کا دیتے نہیں جواب کبھی

کسوٹی ہے انساں کی ہر مصیبت — رکھو یاد میری یہ اک بات موٹی
ہمیشہ یہ کاہل نے کی ہے شکایت — فلک ناسا عد ہے تقدیر کھوٹی
مبارک ہیں جو لوگ کرتے ہیں محنت — جو کھاتے ہیں اپنی کمائی کی روٹی
خلاصہ یہ ہے اپنی کل کوششوں کا — بڑا حوصلہ اور ہمت ہے چھوٹی

مکاں کا جان کا موٹر کا اور بیوی کا بیمہ ہے — بھروسہ ہے خدا پر اور اس کا یہ ضمیمہ ہے
اسیری میں ہوا و حرص کی پٹتے ہیں خود جا کر — مگر پھر بھی زبانوں پر مناجات کریمہ ہے

جناب شیخ کو کھانے کی کیسی بے قراری ہے — وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں یہ بھی انکی وضع داری ہے
متنجن قورمے سے بھی انھیں سیری نہیں ہوتی — یہاں یہ حال ہے جو کی کی اک روٹی بھی بھاری ہے

مسلماں کھو چکا سب کچھ مگر اک آن باقی ہے — اسے مردہ سمجھتے ہو بہت کچھ جان باقی ہے
فقیر آجائے در پر وہ بھی دس پانیں سنا دیگا — حکومت گو نہیں ہے پھر بھی اسکی شان باقی ہے

اگر چہ شرع سے سستے میں دام ہوتا ہے — مکاں لٹانے سے مسلم کا نام ہوتا ہے
جو پاس نقد نہ ہو قرض دام لیتے ہیں — کسی طرح ہو مگر اذن عام ہوتا ہے

چھپائیں راز جب ہم رازداں سے — ملے گا کیا ہمیں اس کے بیاں سے
دعا مانگی نہ دل سے جب سمجھ کر — عبث ہے اس کا پڑھ دینا زباں سے

سروں میں یونہی کی روز اک اسکیم آتی ہے — رکاوٹ میں مگر اسکول کی تعلیم آتی ہے
سبق پایا ہو بعد جمع جب تفریق کا سب نے — تو کس گنتی میں پھر ایسی کوئی تنظیم آتی ہے
کہا شیخ و برہمن سے رہو مل بانٹ کر لیکن — ریاضی میں ہے اول ضرب پھر تقسیم آتی ہے

ہمارے نوجوانوں کی قابل افسوس حالت ہے — ہیں میٹرک فیل انگریزی میں حسین لیاقت ہے
بڑی مشکل سے انکو داخلہ ملتا ہے دفتر میں — ملازم ہو گئے تو بھی انھیں ہر ایک دقت ہے
ترقی کے مدارج طے کریں سب سیڑھیاں چڑھ کر — انھیں ہو لفٹ کی حاجت سفارش کی ضرورت ہے

دن اپنے کاٹتے ہیں ہم گھر میں مفلسی سے — کوئی ستائے ہم کو لڑتے نہیں کسی سے
لازم ہے ہم کو پھر بھی ڈرتے رہیں ہمیشہ — سرکار کی پولس سے اور اسکی پالسی سے

کبر و نخوت کی کہیں سر میں بھری اسٹیم ہے — اور ترقی کی کہیں پیش نظر اسکیم ہے
اس طرف ہے شور و غل اور زور کا جذبہ ادھر — دیکھئے ہوتا ہے کیا دل میں امید و بیم ہے

کام سے دنیا میں سب کا نام ہے — جو رہا بے کار وہ ناکام ہے
زندگی میں آدمی کو کام ہے — بعد مرگ آرام ہی آرام ہے

آتے ہیں کچھ کام کرنے کے لئے
ہم نہیں ہیں صرف مرنے کے لئے

تقریظ

ازجناب ابوالمعظم نواب سراج الدین خانصاحب سائل دہلوی

میرے مکرم دوست جن کا اسم شریف حافظ ولایت اللہ صاحب ہے ذوق سخن
رکھتے ہیں اور دہلی میں جب پہلے پہل اسمبلی کے ممبر ہوکر تشریف لائے اپنے ذاتی ذوق
کے اعتبار سے یہاں کے سخنوروں کی جویائی میں مصروف ہوئے کسی نے انکو دھوکا دیدیا
اور میرا نام بتادیا۔ چندہی روز میں اتفاقاً مجھ سے ملاقات ہوگئی اس ملاقات میں انھوں نے
اپنی محبت کا جال میرے اوپر ڈالا اور مجھے اپنا اسیر اخلاص کرلیا اُس وقت سے اِسوقت
تک یگانگت و اتحاد میں زیادتی ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر و اقبال میں ترقی دے۔
ان کے ذوق سخن میں اخلاقی جلوے نظر آتے ہیں۔ مذاق طبیعت کا شوخی پر مائل ہے
اس کے باوجود نتیجہ خیز اور پند آمیز ایسے کلام کا مدوّن نہ ہونا ان ہستیوں کے لیے جو
محتاج نصائح و پند ہیں موجب خسارہ تھا۔ ان کے چند بے تکلف اعزا اور احباب
جن میں راقم الحروف بھی داخل ہے متقاضی ہوئے کہ مرتب کرکے شائع کردیا جائے
چنانچہ حافظ صاحب ان تقاضوں سے عاجز آکر اشاعت کلام پر آمادہ ہوئے الف سے
یے تک ان کی ہر صنف نظم میں نے انہی کے منہ سے سنی۔ ان کے کلام کی سادگی اور
پر اثر سادگی۔ مذاقیہ نصیحتیں نہایت دل پسند ہیں جس کے مطالعہ میں ان کا کلام ہوگا
اس کا وقت خوش گذرے گا۔ ضایع بدایع اور فلسفیانہ تخیل سے حافظ صاحب کے
کلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے کلام کا صحیح امتیاز ان کی صاف گوئی اور مدعا نگاری ہے

جس جادہ پر قلم اٹھایا ہے اس سے ثابت ہے کہ یہ ان کی جولانگاہ سے بچا ہوا نہیں تھا۔
مجھے مختلف طور پر ان کی تعلیم کے زمانے کی اطلاع ملی ہے اس میں خصوص یہ پایا گیا کہ
یہ کسی امتحان میں فیل نہیں ہوئے اور ہمیشہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوتے رہے
ان کی ذکاوت کا وہ شخص قائل ہو سکتا ہے جس کا منازلِ ہفت خوان تعلیم سے سابقہ
پڑا ہو۔ اس مرتبہ ان کی دہلی تشریف آوری پر میں انکے بڑے صاحبزادے سے بھی ملا۔
جن کا نام اکرام اللہ صاحب ہے جو بڑے مرتبہ کی ملازمت گورنمنٹ پر فائز ہیں۔
حافظ صاحب کے خلوص سے انھیں بہت کچھ حصہ ملا ہے۔ نہایت منکسر مزاج اور
خوش اخلاق ہستی ہے۔ دو صاحبزادے ان کے اور ہیں سنا گیا ہے کہ وہ علمی اعتبار سے
بہت بلند رتبہ رکھتے ہیں میں ابھی ان سے مل نہیں سکا۔ حافظ صاحب نے زمانۂ
ملازمت میں بڑا اعتبار اور بڑی عزت پیدا کی لیکن مقامات ان کی ملازمت کے
ایسے تھے جہاں علمی ادبی مشاغل کا نام بھی نہیں تھا۔ بایں ہمہ ان میں قابلیت اسی
مسند پر بیٹھنے کی ہے جس پر اہل علم اور اہل ادب بیٹھا کرتے ہیں میں انکی اور ان کی
اولاد کی دعائے عمر و اقبال پر اس تقریظ کو ختم کرتا ہوں۔ امید ہے کہ میرے بیان کی
صداقت وہ لوگ کریں گے جو ان کے کلام کے مطالعہ سے مستفید ہوں گے۔

ابو المعظم سراج الدین خاں سائل
لال دروازہ دہلی ۸ مئی ۱۹۴۷ء

ابیات دل پذیر
۱۳۶۰ھ

مادۂ تاریخ محی الدین ہیڈ ہب کاتب دیوان ہذا

کلامِ حافظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ میرے دوست خان بہادر حافظ ولایت اللہ صاحب سابق ڈپٹی کمشنر سی پی و ممبر سنٹرل اسمبلی کا کلام شائع ہو رہا ہے۔ میں نے اس کلام کا اکثر حصّہ حافظ صاحب کی زبان سے سُنا ہے۔ ان کے اشعار میں زبان کی خوبیاں ہیں شاعری کے کمالات ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی اور ہندوستان کی پُرانی تہذیب کی پوری تصویر ہیں۔ اور نئی تہذیب کی آمیزش سے جو عجیب و غریب تبدیلیاں یا خرابیاں پرانی تہذیب میں پیدا ہو رہی ہیں ان کا ہو بہو نقشہ حافظ صاحب کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ حافظ صاحب پرانے زمانے اور پرانے تمدن کی ایک بولتی ہوئی مورت ہیں۔ لمبا قد ہے مضبوط جسم ہے سفید ڈاڑھی ہے۔ آواز بلند اور شیریں ہے۔ اور پڑھنے کا طرز ایسا دل آویز اور موثر ہے کہ بہت کم شعرا ایسی عمدگی سے اپنا کلام سُناتے ہیں۔ کیونکہ عموماً شاعر لوگ یا تو گاتے ہیں اور یا مرثیوں کے تحت اللفظ کی طرح بن کر پڑھتے ہیں مگر حافظ صاحب روزمرہ کی سادہ بول چال کی طرح اپنے اشعار پڑھتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ حافظ صاحب کا مجموعہ کلام تمام ہندوستان سے خراج تحسین وصول کریگا اور ہندوستان کے سب تعلیم یافتہ ہندو ہوں یا مسلمان سکھ ہوں یا عیسائی سبھی اس کلام کو پڑھ کر لطف اٹھائیں گے اور فائدہ حاصل کریں گے۔

میں چند مہینہ سے آنکھ کے اپریشن کی تکلیف میں مبتلا ہوں اور لکھنے پڑھنے سے مجبور ہوں ورنہ میں اس مجموعہ پر ایک بڑا دیباچہ یا مقدمہ لکھتا۔ اس لئے یہ چند سطریں اپنے جذبات و خیالات کے اظہار کیلئے لکھتا ہوں شاید وہ اس قابل ہوں کہ حافظ صاحب کے مجموعہ کلام کے ساتھ شائع ہو سکیں:

مخلص قدیمی حسن نظامی

شملہ ۴ جولائی ۱۹۴۱ء

ایک یک رنگ تقریظ

اس تقریظ کے ہر فقرے سے مادہ تاریخ ۱۹۴۱ء نکلتا ہے۔

از طبع سلیم جناب مرزا عثمان اشرف صاحب دہلوی

۱ حقائق آگاہ حافظ محمد ولایت اللہ صاحب ۲ بی اے علیگ خان بہادر آئی ایس او
شاعرِ شیریں بیان و باکمال ۳ سی پی کے حاکم عصر و صاحب عدل ڈپٹی کمشنر ۴ میرے مخلص
یگانہ و نہایت مہربان ہیں ۵ ادیب پاکیزہ اساس حافظ صاحب کی عمر کا بڑا حصہ ۶ علی العموم
ہندوستان کے ایسے خطے میں گزرا ہے ۷ جہاں رونقِ علم و ادب و فصاحتِ زبان بالکل
مفقود تھی ۸ اس پر بھی عالی طبع فصیح البیان جناب حافظ صاحب کا ۹ شوقِ سخن برابر جاری
رہا ۱۰ میں نے حافظ صاحب کا نادر و دلچسپ مجموعہ کلام دیکھا ہے ۱۱ آپ کا رنگِ نظم کلام
نتیجہ خیز اور پند آمیز ہے ۱۲ نہایت سلیس و جامع سادہ اور پراثر ہے ۱۳ طبع ذکا مذاق پر مائل
ہے ۱۴ چنانچہ دل کشا مذاقیہ نصیحتیں ۱۵ نہایت ہی دلچسپ دل پذیر فصیح و دلپسند ہیں
۱۶ تمام بسیط کلام سارے اصناف و اقسامِ اسقام سے مبرّا ہے بلکہ ۱۷ فصیح و بلیغ و
شستہ و شائستہ کلام ہے ۱۸ معدنِ فیوض مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم نے
۱۹ اور بہشت نصیب جناب اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی نے ۲۰ جو طبعی محبوب انقلاب
اردو شاعری میں پچھلے زمانہ میں پیدا کیا تھا ۲۱ اس کا پسندِ طبع عکس حافظ صاحب پر
بھی پڑا ۲۲ چنانچہ آپ کے کلام میں دونوں شعرا کا رنگِ مناسبت موجود ہے ۲۳ ایک
مشہور مثال "رفتارِ زمانہ" ۲۴ اور سلاکلام آپ کی دوسری نظم "بیگم اور دیوی" ۲۵ کو دیکھنے
سے تعلق ظاہر ہے ۲۶ پہلی مثال میں اکبر الہ آبادی کے دل پسند رنگ میں رنگے ہوئے ہیں
۲۷ بیگم اور دیوی کی نظم فی نفسہ واقعی عمدہ ہے ۲۸ دونوں تاثرات کا بلند نمونہ ہیں ۲۹
پچھلی رنگین نکات نظم میں ۳۰ ہندو مسلمانوں کے کلچر کی ایک کنز الحقائق تصویر ہے ۳۱
اور جو حسنِ دلاویز و لطافت و خوبی پیش کی گئی ہے ۳۲ خلاصہ یہ کہ آپ کا رنگِ بیان کلام
نہایت سلیس ۳۳ بلحاظِ زبان مرصع و مسجّع و جزدی دُکلی با محاورہ ۳۴ سیلِ خلائق مبالغ
سے دور پند و نصیحت سے معمور ۳۵ شستہ و شائستہ اور علو طبع ۳۶ اہل سخن کو علی الدوام
مشعلِ ہدایت کا کام دے گا ۳۷ مجھے یقین ہے کہ یہ کلام متعلق و پند آموز مقبولیت حاصل کریگا
۳۸ آپ کا باتمکین مجموعہ کلام "سوز و گداز" نامی عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

احقر الناس مرزا عثمان اشرف

ضمیمہ سوز و گداز

ضروری تصحیح

صفحہ	مقام	غلط	صحیح
۷	۲	سنہ ۱۳۰۸ء	سنہ ۱۳۰۸ھ
۸	شعر ۸ مصرع ثانی	دربا	دریا
۱۰	شعر ۲ مصرع اوّل	عقل دانش	عقل و دانش
۱۰	شعر ۷ مصرع ثانی	فیض رماں	فیض رساں
۱۱	شعر ۱۵ مصرع اوّل	ہوفی	ہوتی
۱۲	شعر ۵ مصرع اوّل	بہ قصّہ	یہ قصّہ
۱۶	بند آخر بیت اوّل مصرع اوّل	گرنبایا	گر بتایا
۱۸	بند سوم بیت اوّل مصرع اوّل	ہماری بھری ہے	ہماری ہوئی ہے
۳۰	شعر ۹ مصرع اوّل	اقبال دولت	اقبال و دولت
۴۲	شعر ۴ مصرع اوّل	ہماسا یار	ہمارا یار
۴۴	شعر ۵ مصرع ثانی	عیاں کرتی ہے	فزوں کرتی ہے
۴۷	شعر ۴ مصرع اوّل	صحرا نوری	صحرا نوردی
۵۱	شعر ۱ مصرع ثانی	سبستاں	شبستاں
۹۷	شعر ۱ مصرع اوّل	اوج ولازم	اوج کو لازم
۹۸	شعر ۱ مصرع ثانی	گردوں گرداں	گردونِ گرداں
۱۰۲	شعر ۴ مصرع ثانی	دپے آزار	درپے آزار
۱۰۷	شعر ۱ مصرع اوّل	وہ جوہر	تم جوہر
۱۰۸	شعر ۱ مصرع ثانی	کہ تندرستی ہے	کہ تنگدستی ہے
۱۱۵	شعر ۱ مصرع ثانی	نیر ولفنگ	تیر و تفنگ
۱۱۶	شعر ۹ مصرع ثانی	اپنی قدامت	اپنی ندامت
۱۲۴	شعر ۱۵ مصرع اوّل	تیا ملتا تھا	تیا ملتا ہے
۱۳۰	شعر ۸ مصرع ثانی	یا وہ کوئی میں حد ادب	یا وہ گوئی میں کوئی حد ادب

صفحہ	مقام	غلط	صحیح
۱۳۵	شعر۲ مصرعہ ثانی	پھر بھی خطرہ میں	پھر بھی خاطر میں
۱۳۷	شعر۱ مصرعہ اوّل	اتنا پوچھے	اتنا تو پوچھے
۱۳۸	شعر۸ مصرعہ ثانی	میں افلاس عزت	ہمیں افلاس عزت
۱۴۰	شعر۵ مصرعہ ثانی	ہوئے ہیں متحد	ہوئے ہیں منتشر
۱۴۸	شعر۶ مصرعہ ثانی	دردل	درددل
۱۶۱	شعر۵ مصرعہ ثانی	سے اونہیں	سے اسے
۱۶۴	شعر۴ مصرعہ ثانی	رہ رہ خیال	رہ رہ کے خیال
۱۶۵	شعر۱۰ مصرعہ ثانی	کمر	مگر
۱۶۵	شعر۱۱ مصرعہ اوّل	نولس	پولس
۱۶۷	شعر۷ مصرعہ ثانی	ترباد	فریاد
۱۸۲	شعر۶ مصرعہ ثانی	نہ چھورا	نہ چھوڑا
۱۹۱	شعر۱۰ مصرعہ اوّل	جورنکے	حوروں کے
۱۹۲	شعر۱۳ مصرعہ ثانی	دہم وکماں	وہم وگماں
۲۱۲	شعر۶ مصرعہ اوّل	جھپکیاں کرد	جھپکیاں گرد
۲۳۷	شعر۴ مصرعہ اوّل	رستے	رشتے
۲۴۲	شعر۲ مصرعہ ثانی	بناناہے	بناتاہے
۲۴۵	شعر۴ مصرعہ اوّل	نغزش	لغزش
۲۴۸	شعر۶ مصرعہ اوّل	تغارتگری	غارتگری
۲۵۷	شعر۱۱ مصرعہ ثانی	دبدہ	دبدبہ
۲۵۹	شعر آخر مصرعہ اوّل	خوں	خون
۲۷۷	شعر۴ مصرعہ ثانی	غانب	غائب
۲۷۷	شعر۷ مصرعہ اوّل	عمازی	غمازی
۲۸۳	شعر۱۱ مصرعہ ثانی	غرور	فتور
۳۰۰	شعر۵ مصرعہ اوّل	نن زیب	تن زیب
۳۲۱	شعر۵ مصرعہ ثانی	[illegible] دردسر	کہیں تھے درددل

ملنے کا پتہ:- محمد الطاف اللہ چھاؤنی ناگپور

قیمت دو روپیہ

مطبوعہ محبوب المطابع دھلی